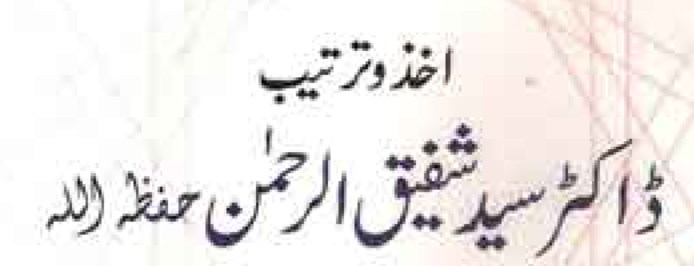
طاغوت



پہچان

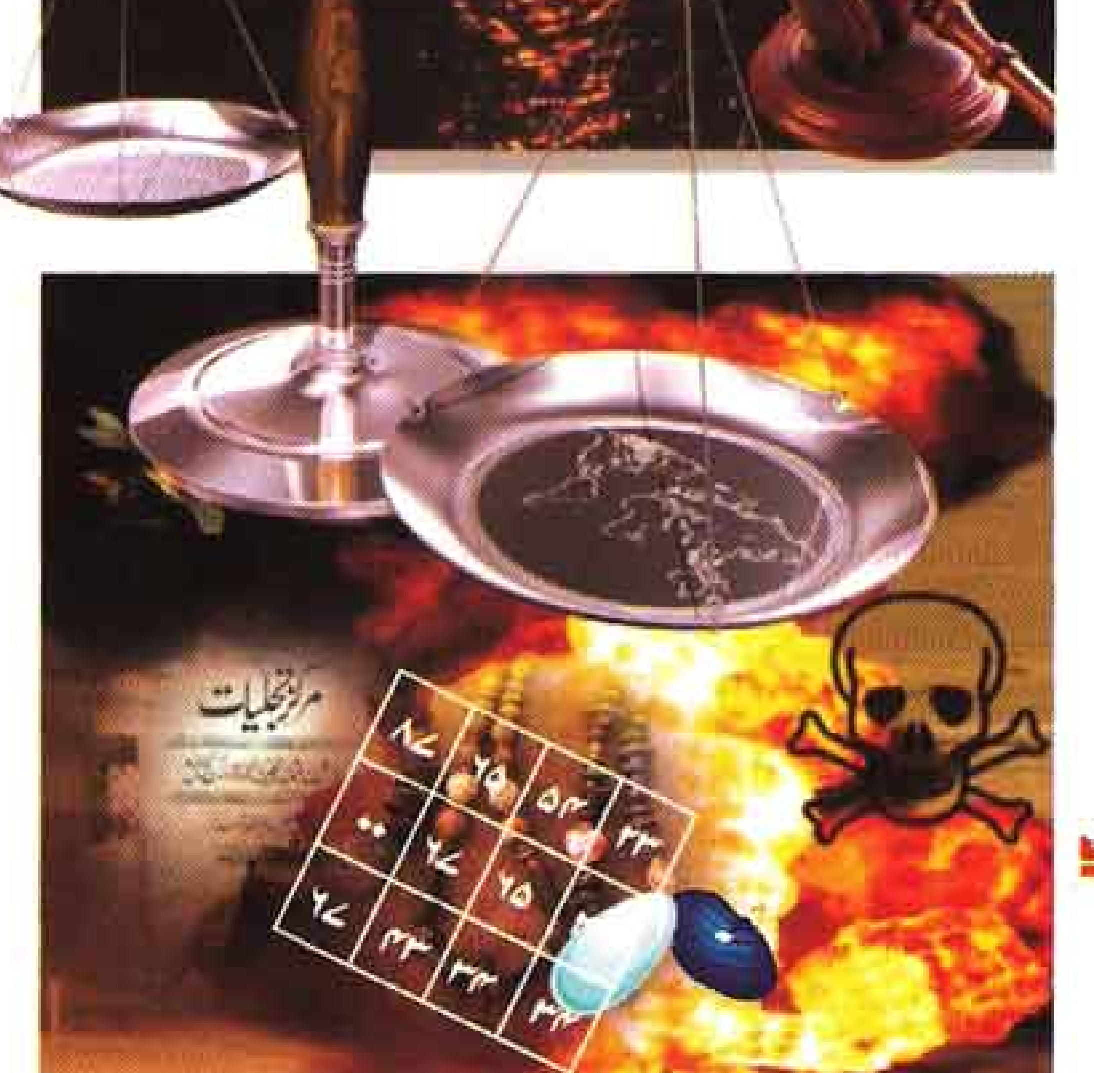
حکم

برتاؤ



اخذ و ترتیب

ڈاکٹر سید شفیق الرحمٰن حفظہ اللہ



مکتبہ

دار التوحید

فَمَنۡ يَكۡفُرۡ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤۡمِن بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

اس لئے جو شخص اللہ تعالی کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالی پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالی سننے والا، جاننے والا ہے۔ البقرۃ:

۲۵۶



مؤلف

عبدالمنعم مصطفیٰ حلیمہ

''أبوبصیر الطرطوسی''

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

http://www.muwahideen.tk

info@muwahideen.tk

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَناً قَلِيْلاً أُولَـئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِيْ بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلاَ يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ☆ أُولَـئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُاْ الضَّلاَلَةَ بِالْهُدَى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ☆﴾

بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں، یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ کرے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔☆ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خرید لیا ہے، یہ لوگ آگ کا عذاب کتنا برداشت کرنے والے ہیں۔

اے ہمارے رب! گواہ رہنا ہم نے بیان کر دیا،،،،،ہم نے بیان کر دیا،،،،،، کیونکہ ہم میں آگ کا عذاب برداشت کرنے کی سکت نہیں ہے۔

فہرست موضوعات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

إن الحمد لله نحمده و نستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادى له۔

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ﴾آل عمران: ١٠٢

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِي تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً﴾النساء: ١

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيداً ☆ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَن يُطِعْ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيماً﴾الأحزاب: ٧٠-٧١

أما بعد: فإن أصدق الحديث كتاب الله، وخير الهدي هدي محمدﷺ، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة فى النار۔اللهم رب جبريل وميكائيل وإسرافيل، فاطر السموات والأرض، عالم الغيب والشهادة، أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون، اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك، إنك تهدي من تشاء إلى صراط مستقيم۔

تمام انسانوں بلکہ تمام مخلوقات کی پیدائش کی غرض وغایت صرف یہ ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾**الذاریات:٥٦**

میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اورفرمایا:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ﴾ البینۃ:۵

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں۔

اورفرمایا:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفاً فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ الروم:۳۰

پس آپ یک سو ہو کر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کردیں۔ اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے بنائے کو بدلنا نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

حدیث قدسی ہے:

میں نے اپنے تمام بندوں کو ''حنیف'' پیدا کیا ہے۔ یعنی فطرت کے اعتبار سے سبھی موحد مسلمان ہیں۔

لیکن انسان اور جن شیطانوں کی ازل سے یہی کوشش رہی ہے کہ وہ لوگوں کو توحید خالص سے پھیر دیں۔ اور انہیں غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیں۔ یہ شیطان کبھی رکوع وسجود کے ذریعے بندوں کو غیر اللہ کا عبادت گذار بناتے ہیں۔ اگر اس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی نہ ملے تو طلب استعانت اور دعاء وغیرہ کے ذریعے سے بندوں سے غیر اللہ کی عبادت کرواتے ہیں۔ اگر اس میں کامیاب نہ ہوں تو توکل، رجوع، اور خشیت کے ذریعے شرک کرواتے ہیں۔ اگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوں تو اطاعت، فرمانبرداری اور سر تسلیم خم کرنے کے ذریعے سے شرک کرواتے ہیں۔ اگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوں تو فیصل ماننے اور حلال وحرام کا اختیار دینے کے ذریعے شرک کرواتے ہیں۔

درج ذیل حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے فرمان سے مذکورہ مفہوم ہی مراد ہے:

ان کے پاس شیاطین آئے اورانہیں ان کے دین سے پھیر دیااورمیری حلال کردہ اشیاءان پر حرام کردیں،اورانہیں میرے ساتھ شرک کرنے کاحکم دیا حالانکہ میں نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں کی۔(صحیح مسلم)

اللہ تعالی نے اسی مقصد کے لئے رسولوں کومبعوث فرمایا تاکہ لوگوں کے پاس کوئی دلیل اورعذر باقی نہ رہے۔پیغمبرخالص اہل توحیدکو جنت کی بشارت دینے والے ہیں اوراہل کفراوراہل شرک کوعذاب سے ڈرانے والے ہیں۔لوگوں کواللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلانے والےاوراللہ کے علاوہ ہر جھوٹے معبودکاانکارکرنے کی دعوت دینے والے ہیں۔

ارشادربانی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ ﴾النحل:۳۶

ہم نے ہرامت میں رسول بھیجا کہ (لوگو)صرف اللہ کی عبادت کرو اوراس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔

اورفرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴾الأنبیاء:۲۵

تجھ سے پہلے بھی جورسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔

اورفرمایا:

﴿وَمَا أُمِرُواْ إِلَّا لِيَعْبُدُواْ إِلَـهاً وَاحِداً لَّا إِلَـهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴾التوبہ:۳۱

حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کاحکم دیا گیا تھاجس کے سوا کوئی معبودنہیں وہ پاک ہےان کےشریک مقررکرنے سے۔

عبادات میں اللہ تعالی کی توحید کا اقرار اور طاغوت کا انکار انبیاء اور رسولوں کی بعثت کا بنیادی مقصد رہا ہے ۔ کوئی دوسری جزوی ذمہ داری یا مقصد انہیں ان کے اس بنیادی مقصد سے باز نہ رکھ سکا۔ اس بارے میں انہوں نے نہ تو اپنی قوم والوں کو ڈھیل دی اور نہ ہی ان کے ساتھ افہام وتفہیم کا راستہ اختیار کیا۔ بلکہ ان کی دعوت یہی تھی کہ وہ یا تو مطلقا اللہ کے عبادت گذار بن کر مسلمان اور مومن ہو جائیں ۔ یا وہ طاغوت کے عبادت گذار بن کر -خواہ وہ عبادت کی کسی ایک طرف میں ہی کیوں نہ ہو- کافر اور مشرک بن جائیں ۔اس صورت میں وہ مکمل طور پر دائرہ اسلام سے نکل کر طاغوت کے غلام بن جائیں گے۔

ایمان باللہ اور کفر بالطاغوت ہی وہ عظیم مقصد تھا جس کی خاطر تلواریں بے نیام ہوتی رہیں، لشکر بھیجے جاتے رہے اور فوجیں تیار کی جاتی رہیں۔ اسی بنا پر دوستی اور دشمنی قائم کی جاتی رہی اور جنگ اور امن کا اعلان کیا جاتا رہا۔ اسی کی خاطر خون بہایا گیا اور جانیں قربان کی گئیں اور ہر قیمتی اور نفیس ترین چیز قربان کر دی گئی۔

دنیا کے تمام طاغوتوں کے ساتھ سب سے پہلے اس چیز کا فیصلہ ہونا چاہیئے کہ اس کائنات میں وجود کے اعتبار سے سچا معبود کون ہے؟ اللہ تعالی جو کہ اکیلا اور زبردست ہے یا طاغوت؟

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے اغماض نہیں برتا جا سکتا، خواہ اسی ایک مسئلہ کے حل ہونے میں ساری زندگی کیوں نہ صرف ہو جائے۔ اس مسئلے کو چھوڑ کر ہم کسی دوسرے مسئلے کی طرف خواہ وہ کسی قدر بڑا مسئلہ ہی کیوں نہ ہو اس وقت تک راغب نہیں ہو سکتے جب تک ہم لوگوں سے اس سوال کا جواب نہ حاصل کر لیں کہ وجود کے اعتبار سے معبود حقیقی کون ہے؟

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہم دعوت وتبلیغ کے میدان میں مشغول بہت سے ایسے لوگوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جو کسی دباؤ یا لالچ میں آ کر اس اہم ترین مسئلے کو حل کئے بغیر دوسرے مسائل میں الجھ جاتے ہیں۔ بلکہ بعض تو اس بنیادی مسئلے کو چھیڑتے ہی نہیں اور فروعات اور فقہی اختلافی مسائل میں الجھے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی اس دعوت پر طاغوت کی طرف سے کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہوتا۔

ان لوگوں کی کوششیں کس طرح بارآور ثابت ہوسکتی ہیں یہ تو اس بنیاد کو ہی فراموش کئے ہوئے ہیں جس پر دعوت وتبلیغ کی عمارت کا انحصار ہے۔ایسے طریقے کو اختیار کرنے والے لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بغیر جڑوں کے گھنی شاخوں والا اور تناور درخت لگانا چاہتا ہو۔حالانکہ وہ اس بات سے بے خبر ہے کہ جڑ کے بغیر درخت نہ تو اگ سکتا ہے، نہ قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی ثمر آور ہوسکتا ہے۔

''طاغوت'' نامی اس رسالہ میں ہم مندرجہ ذیل مسائل پر بحث کریں گے۔

☆ عبادت کا معنی ومفہوم،اقسام اوراس کے میدان۔

☆ لوگوں کی حالت زاراور عبادت کی حقیقت۔

☆ دین کا مفہوم اور جو چیزیں اس کے معنی میں داخل ہیں۔

☆ کلمہ ''اِلٰہ'' کے معنی اوراس کی خصوصیات۔

☆ طاغوت کا معنی اوراس کی صفات۔

☆ موجودہ دور میں اللہ تعالی کے علاوہ پوجے جانے والے طواغیت کی اقسام۔

☆ ایمان کی صحت کے لئے طاغوت کا انکار شرط ہے۔

☆ طاغوت کا انکار کرنے کا طریقہ کار۔

اس کے علاوہ موضوع سے تعلق رکھنے والے اہم ترین مسائل اورسوالات ہم اللہ کے فضل کے ساتھ پوری تفصیل کے ساتھ انہیں بیان بھی کریں گے اوران کا جواب بھی دیں گے۔﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ﴾الأنفال:۴۲

تاکہ جو ہلاک ہو، دلیل پر (یعنی یقین جان کر) ہلاک ہواور جو زندہ رہے، وہ بھی دلیل پر (حق پہچان کر) زندہ رہے۔

اس رسالے کی تدوین کا عمومی ہدف بندوں کو اللہ واحد کی عبادت کی طرف لانا اور انہیں طاغوت کی بندگی سے بچانا ہے۔آج کل انواع واقسام کے طاغوت پھیل چکے ہیں اور تمام لوگ اور ملک ان کے فتنہ کا شکار ہیں۔یہ تمام طاغوت اللہ تعالی کو چھوڑ کر بذات خود الہ ہونے کے دعویدار ہیں اور مختلف

طریقوں سے دن رات بندوں کو اپنا غلام بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو قبول فرمائے، درست لکھنے کی توفیق عطا فرمائے، سیدھے راستے پر گامزن فرمائے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔ بے شک وہ قریب سے دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والا ہے۔

وصلى الله على محمد النبى الأمي وعلى آله وصحبه وسلم

عبدالمنعم مصطفیٰ عبدالقادر حلیمہ أبوبصیرالطرطوسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحث کی ابتداء سے قبل کچھ چیزوں کے مفاہیم کی وضاحت:

قبل اس کے کہ ہم قاری کو اس بات کا ادراک دلائیں کہ اللہ کی عبادت کے حوالے سے اس کا موقف کیا ہے، وہ کس طریقے پر گامزن ہے، اس کا معبود اور داتا کون ہونا چاہیئے ؟ اللہ یا طاغوت؟ ضروری ہے کہ ہم کچھ چیزوں کے مفاہیم بحث کی تمہید کے طور پر ذکر کردیں۔ جن چیزوں کے مفاہیم کا تذکرہ مقصود ہے ان میں عبادت، دین، الہ اور طاغوت قابل ذکر ہیں۔

1- عبادت: عبادت کا لغوی مفہوم ہے: جھک جانا، تواضع وانکساری اختیار کرنا، عاجز ہونا، کثرت مرور کی وجہ سے جب راستے میں جھکاؤ پیدا ہوجائے تو اسے بھی ''طریق معبد'' کہتے ہیں۔ (دیکھئے! لسان العرب اور القاموس المحیط)

اصطلاحی طور پر: یہ ایک ایسا جامع اسم ہے جس کا اطلاق ہر اس قول اور ظاہری یا باطنی عمل پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا محبوب اور پسندیدہ ہو۔ (کتاب ''العبودیۃ'' از ابن تیمیہ)

اس کے ساتھ ساتھ اس عمل میں اطاعت وفرمانبرداری اور حب الٰہی درجہ کمال کے ساتھ موجود ہو۔

جو شخص یہ اعمال اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ کرتا ہے لیکن اس میں حب الٰہی کا جذبہ موجود نہیں ایسا شخص منافق ہے جس سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ جو شخص حب الٰہی کا دعویدار ہے لیکن اس میں اطاعت وفرمانبرداری اور تسلیم ورضا کا جذبہ موجود نہیں وہ شخص زندیق اور جھوٹا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ آل عمران: ۳۱

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں: یہ آیت کریمہ ہراس شخص کے خلاف فیصلہ دیتی ہے جواللہ کی محبت کا دعویدار ہے لیکن وہ محمد ﷺ کے طریقہ پر گامزن نہیں ہے وہ شخص اس وقت تک اپنے اس دعوی میں جھوٹا ہے جب تک وہ اپنے تمام اقوال وافعال میں شریعت محمدی کی اتباع نہیں کرلیتا۔(تفسیر ابن کثیر:۱/۳۶۶)

گذشتہ عبارات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسانی زندگی کی تمام اطراف اورشعبہ جات عبادت میں شامل ہیں۔ ہروہ قول،عمل یا اعتقاد جواللہ تعالی کی رضامندی اورتقرب کے حصول کا ذریعہ ہووہ عبادت کے مفہوم میں شامل ہے۔

جب بندہ سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا مطالبہ کیا جائے تواس سے عبادت کا یہی عمومی مفہوم مراد ہوتا ہے۔یعنی تمام امورمثلا رکوع وسجود،خشوع وخضوع،روزہ وحج،نذروقربانی میں اسی اکیلے کی عبادت کی جائے اسی طرح محبت اوردشمنی،جہاداورقربانی،خشیت اورتوکل،دعاءاوررجوع،امیداوراطاعت وفرمانبرداری،فیصلہ ماننا اورفیصلہ کروانا،اس کے علاوہ دوسرے تمام امور جوشرعی طور پر واجب اور مستحب ہیں ان میں صرف اللہ تعالی کی طرف ہی رجوع کیا جائے۔

اللہ تعالی کا یہ فرمان اس کی سب سے بڑی دلیل ہے:ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ الذاریات:۵۶

میں نے جنوں اورانسانوں کومحض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔

اللہ تعالی نے خبر دی ہے کہ اس نے تمام جنوں اورانسانوں کواپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔اسی طرح پیغمبروں کی بعثت کا بھی یہی مقصد تھا تاکہ لوگ اللہ کی عبادت کریں۔عبادت ہی وہ عظیم مقصد ہے جس کے لئے تمام جنوں اورانسانوں کو پیدا کیا گیا ہے۔(بدائع التفسیر ابن القیم:۴/۲۴۸)

عربی زبان میں جب نفی اوراستثناء دونوں اکٹھے آجائیں تو یہ دونوں انتہاء درجے کے حصراورقصر کا فائدہ دیتے ہیں۔اس کا معنی یہ ہے کہ ایک طرف سے تواس معاملے کی مکمل نفی کی جارہی ہے اوردوسری طرف سے اسے صرف اسی چیز میں محصور کیا جارہا ہے۔یعنی انسانی وجود کے لئے عبادت کے علاوہ ہرمقصد کی نفی کی جارہی ہے اوراس کے وجود کومکمل طور پرعبادت میں محصور کیا جارہا ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں انسان کی مکمل زندگی کا مقصد عبادت الٰہی بتایا گیا ہے یہ مقصد نماز پنجگانہ اور اس طرح کے دوسرے شعائر اسلام سے تو ہرگز پورا نہیں ہوتا۔

دن اور رات کا کتنا حصہ ان شعائر کی ادائیگی میں صرف آتا ہے؟ انسان کی عمر کا کتنا حصہ اس میں خرچ ہوتا ہے؟ عمر کا باقی حصہ، باقی طاقت کہاں جائے گی اور کہاں خرچ ہوگی؟

انسان کی زندگی عبادت میں صرف ہوگی یا کسی اور مقصد میں؟ اگر کسی اور مقصد میں خرچ ہوگی تو انسان کی زندگی کا وہ مقصد کیسے پورا ہوگا جسے مذکورہ آیت کریمہ نے مکمل طور پر صرف اور صرف عبادت میں محصور کیا ہے؟ انسان کے لئے یہ کس طرح جائز ہوگیا کہ وہ خود اپنی ذات کی طرف سے اپنی زندگی کا ایسا مقصد متعین کرلے جس کا اللہ تعالی نے اسے حکم نہیں دیا؟ (کتاب ''مفاہیم ینبغی أن تصحح'' از محمد قطب، صفحہ ۱۷۴-۱۷۵)

ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ☆ لاَ شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ الأنعام: ۱۶۲-۱۶۳

آپ فرما دیجئے! کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں۔

ابن الجوزیؒ کا قول ہے: اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مشرکوں کو یہ بات بتائی تھی کہ میرے تمام افعال واحوال اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہیں۔ کسی غیر ذات کے لئے نہیں ہیں جیسا کہ تم اس کے ساتھ اوروں کو شریک بنالیتے ہو۔ (زاد المسیر: ۳/۱۶۱)

جس طرح قربانی اور دوسری عبادات اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہونی چاہئیں اسی طرح لازم ہے کہ انسان کی مکمل زندگی اور اس میں رونما ہونے والے تمام حالات اور واقعات اور انسان کے مواقف سب کے سب اللہ تعالی کے لئے ہونے چاہئیں۔ حتی کہ یہ بھی لازم ہے کہ انسان کی موت بھی اللہ کے

لئے اوراس کے راستے میں ہی واقع ہو۔کسی مومن کی موت وطن کے لئے یا موجودہ دور میں کھڑے کئے گئے مختلف بتوں کے لئے واقع نہ ہو جنہوں نے لوگوں کو ان کے دین کے بارے میں فتنے میں ڈال رکھا ہے حالانکہ اللہ تعالی نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔

اسلام میں قربانی اور دوسرے شعائر ہی کا نام عبادت نہیں بلکہ انسان کی ساری زندگی عبادت پر مشتمل ہے اس کی دلیل اس فرمان الٰہی سے ملتی ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ﴾ البینۃ:٥

انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں۔

اس آیت مبارکہ میں عبادت کا حکم عام ہے جس میں عبادت کے تمام اطراف اور پہلو شامل ہیں۔اس کے بعد اللہ تعالی نے خصوصیت کے ساتھ عبادت کے ان پہلوؤں کا تذکرہ فرمایا ہے جنہیں نماز اور زکوۃ کہا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں پہلوؤں کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اللہ کی عبادت کی جائے اوراس کے علاوہ ہر معبود کا انکار کیا جائے ،نماز قائم کرنا ، زکوۃ ادا کرنا ، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔(صحیح مسلم)

نماز ، زکوۃ ، حج اور روزے کا حکم اللہ تعالی کی عبادت کے حکم کے تکرار کے لئے وارد نہیں ہوا بلکہ اس حکم کے وارد ہونے کا مقصد لفظ عبادت جو کہ تمام پہلوؤں پر محیط ہے اور سب سے اعلی پہلو توحید ہے کے عموم کو خاص کرنا ہے۔

اس طرح کے اور بھی بہت سے دلائل ہیں جو اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اسلام میں لفظ عبادت صرف مناسک یا اسلامی شعائر کی ادائیگی میں مقید نہیں ہے بلکہ یہ اس سے کہیں زیادہ وسیع مفہوم کا حامل ہے۔

لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ بے دین کافر طاقتوں اور گمراہ صوفیوں کی طرف سے اس دین کو

بگاڑنے کے لئے جدید دور کی پڑھی لکھی اور تہذیب یافتہ گمراہی اور جہالت کی صورت میں حملوں میں اضافہ ہی ہورہا ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے امور کے درست اور شرعی مفہوم اپنے مقام سے تبدیل ہوکر رہ گئے ہیں۔عبادت کا مفہوم بھی ان امور میں شامل ہے جسے موجودہ دور کے ان گمراہ کن فرقوں کی طرف سے دست درازی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔(دیکھیئے ! کتاب ''مفاهيم ينبغي أن تصحح ''مؤلف أستاذ محمد قطب، فصل مفهوم العبادة، مذکورہ کتاب میں شیخ نے وضاحت کی ہے کہ موجودہ دور کے گمراہ کن فرقوں کی دست درازی کی وجہ سے عام لوگوں کے ذہن میں عبادت کا مفہوم صرف نماز روزہ اور دوسرے اسلامی شعائر کی ادائیگی کا نام رہ گیا ہے۔عام لوگ انسان کے عقائد اور اخلاقیات، نفس اور دوسرے معاشرتی امور میں عبادت کا کوئی کردار نہیں سمجھتے۔یہ بات اکثر مشاہدے میں آتی رہتی ہے۔)

ان لوگوں نے عبادت کو صرف مناسک اور اسلامی شعائر کی ادائیگی کے لئے صرف مسجدوں اور معبد خانوں کی حدود میں مقید کردیا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر لوگوں کے ہاں عبادت صرف اسلامی شعائر کی ادائیگی کا نام رہ گیا۔اس بات نے لوگوں کے عقائد ونظریات اور افکار و عادات پر بڑے منفی اثرات ڈالے ہیں۔اس قسم کے اکثر لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ رکوع وسجود کی حد تک اللہ تعالی کی عبادت کرتے ہیں جبکہ وہ عبادت کے دوسرے میدانوں میں غیروں کو اپنا الہ سمجھتے ہیں۔اس کے باوجود بھی وہ اپنے آپ کو واضح حق پر گامزن سمجھتے ہیں۔

اگر کوئی ان پر اعتراض کرے تو اس کے اعتراض کی طرف بڑی بری قبیح اور اجنبی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔یہ لوگ سیاست کو دین میں داخل کرنا چاہتے ہیں اور دین کو ایسے امور میں داخل کرنا چاہتے ہیں جن کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔اس لئے ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے ان اہم ترین امور کی وضاحت بیان کردیں جو عبادت کی اصطلاح میں داخل ہیں۔اور کون سے ایسے امور ہیں جن کے کرنے والے کو بندہ کہا جائے گا خواہ وہ اس بندگی کا اقرار کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔تاکہ اسے معلوم ہوجائے کہ وہ اللہ تعالی کی عبادت وفرمانبرداری کررہا ہے یا پھر مخلوق کی عبادت اور فرمانبرداری میں مشغول ہے۔

﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ﴾الأنفال:۴۲

تا کہ جو ہلاک ہو، دلیل پر (یعنی یقین جان کر) ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، وہ بھی دلیل پر (حق پہچان کر) زندہ رہے۔

ان مفاہیم میں:

1-اطاعت: جان لیجئے! صرف اللہ تعالی ہی ہے جس کی ذاتی طور پر اطاعت کی جاتی ہے، کیونکہ وہ معبود حقیقی اور الہ ہونے کی بنا پر اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے، اور وہ صرف حق اور عدل کا ہی حکم دیتا ہے۔ جبکہ اس کے سوا تمام مخلوقات ان کی خواہ کوئی بھی ہیئت اور صفت ہو ان سب کی اطاعت ان کی ذات کے لئے نہیں ہوتی بلکہ کسی غیر یعنی اللہ تعالی کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ مخلوقات میں سے جس کسی کی ذاتی طور پر عبادت کی جائے وہ الہ اور معبود ہونے کے درجہ تک پہنچ جائے گا۔ اس طریقے کے مطابق ان کی اطاعت کرنے والا عبودیت کے تمام معانی کا احاطہ کرتے ہوئے ان کا بندہ بن جائے گا۔ ایسا شخص لغوی اور اصطلاحی طور پر عبودیت کی اصطلاح میں داخل ہوگا۔ اس لحاظ سے مخلوقات میں سے ہر وہ شخص جو اس طریقے سے اپنی اطاعت کروائے اس سے بچیئے اور دوسروں کو بھی اس سے بچنے کی تلقین کیجئے۔ یاد رکھیئے! ایسا شخص بہت بڑا طاغوت ہے اس کا انکار کرنا لازم ہے۔

ہم نے جو کہا ہے کہ ذاتی طور پر اطاعت کی جائے اس کا مفہوم یہ ہے اس کی ذات اطاعت کی مستحق ہے قطع نظر اس بات سے کہ اس سے جو اوامر صادر ہو رہے ہیں وہ کس نوعیت کے ہیں۔ اطاعت کا یہ جذبہ اگر مخلوقات میں سے کسی کے لئے روا رکھا جائے تو یہ ظاہری شرک اور کفر ہوگا۔ ذیل میں اس کے کچھ دلائل ذکر کئے جائیں گے:

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾یس:۶۰

اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اس آیت مبارکہ میں شیطان کی عبادت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے ۔شیطان نے لوگوں کے لئے شرک کو مزین کر دیا تو انہوں نے اس کی بات مان کر شرک کو اپنا لیا۔لوگوں کی طرف سے یہ شیطان کی عبادت کی ایک صورت تھی ۔(دیکھئے!تفسیر الطبری اورزادالمسیر)

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ الَّـذِيْـنَ ارْتَـدُّوا عَـلَى أَدْبَارِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَى لَهُمْ ☆ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْأَمْرِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ﴾ محمد:۲۵-۲۶

جو لوگ اپنی پیٹھ کے بل الٹے پھر گئے اس کے بعد کہ ان کے لئے ہدایت واضح ہو چکی یقیناً شیطان نے ان کے لئے (ان کے فعل کو) مزین کر دیا ہے اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے۔یہ اس لئے کہ انہوں نے ان لوگوں سے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ وحی کو برا سمجھا یہ کہا کہ ہم بھی عنقریب بعض کاموں میں تمہارا کہا مانیں گے،اور اللہ ان کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوا﴾ کے بارے میں ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں:انہوں نے ایمان کو چھوڑ دیا اور کفر کی طرف لوٹ گئے ۔(تفسیر ابن کثیر:۴/۱۹۳)

اس چیز کا بنیادی سبب یہ تھا کہ انہوں نے اللہ تعالی کی شریعت کو ناپسند سمجھنے والے لوگوں سے کہا کہ ہم بعض معاملات میں تمہاری بات مانیں گے۔اگر یہ معاملہ اس قدر حساس ہے تو جو لوگ اللہ تعالی کی شریعت سے ناپسندیدگی کی بجائے عداوت اور جنگ رکھتے ہیں ان سے اگر کوئی یہ کہے کہ ہم تمام معاملات میں تمہاری اتباع کریں گے ایسے لوگوں کے کافر،مرتد اور دین سے خارج ہونے کے بارے میں کوئی شک نہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِنَّ الشَّيَـاطِيْـنَ لَيُـوحُـونَ إِلَـى أَوْلِيَـآئِهِـمْ لِيُـجَـادِلُـوكُـمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُون﴾ الأنعام:۱۲۱

اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں تا کہ یہ تم سے جدال کریں اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

یعنی اگر تم مردار کھانے کو اللہ تعالی کی طرف سے حرام کئے جانے کے بعد ان لوگوں کے کہنے پر حلال سمجھو گے تو تم مومن ہونے کے بعد ان کی طرح مشرک بن جاؤ گے۔ (قاری کے علم یہ بات ہونی چاہیئے کہ شرعی طور پر مذموم اطاعت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک قسم کافر کر دینے والی ہے اور آدمی کو ملت سے خارج کر دیتی ہے، جبکہ دوسری قسم اس سے کم درجہ کی ہے وہ انسان کو ملت سے خارج نہیں کرتی۔ پہلی قسم جو کہ کافر کر دینے والی ہے وہ یہ ہے کہ: مخلوق میں سے کسی کو یہ درجہ دینا کہ اس کا بندوں پر حق ہے کہ اس کی ذات اور مقام و مرتبہ کی وجہ سے اس کی اطاعت کی جائے، اسے حکم دینے اور منع کرنے کا اختیار دیتے ہوئے اس کی ہر بات مانی جائے قطع نظر اس بات سے کہ وہ اپنے اوامر و نواہی میں حق سے موافقت رکھتا ہے یا نہیں۔ ایسی اطاعت انسان کو کفر کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے کیونکہ اس سے مخلوق کو الہ ماننا لازم آتا ہے۔

اسی طرح کفر کے درجہ تک پہنچا دینے والی اطاعت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کافروں اور مشرکوں کے کفر اور شرک میں ان کی اطاعت کی جائے۔ یا مسلمانوں کے مقابلے میں ان سے دوستی رکھی جائے، یا اللہ تعالی کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے میں ان کی بات مانی جائے۔ اس طرح کے تمام معاملات میں ان کی اطاعت کرنا کفر اور شرک کا باعث ہے اور ایسا کرنے والا کفر اور شرک کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔ یہاں کفر کی علت صرف اطاعت نہیں ہے البتہ اگر اس شخص کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اطاعت ذاتی طور پر اس کا حق ہے تو ایسی صورت میں اطاعت کفر کا باعث ہوگی۔

دوسری قسم جس کا کرنے والا کافر نہیں ہوتا اور نہ ہی دین سے خارج ہوتا ہے البتہ یہ انسان کو گناہ گار اور نافرمان بنا دیتی ہے یہ پہلی قسم سے ذرا کم درجے کی ہے۔ مثلاً ایسے کام جن کا کرنا کفر کے درجہ تک تو نہیں پہنچاتا البتہ یہ انسان کو فاسق و فاجر ضرور بنا دیتے ہیں ان میں کسی کی اطاعت کرنا۔ جب تک ان امور کو حلال اور مستحسن نہ سمجھا جائے یہ اطاعت کفر سے کم درجے میں رہے گی البتہ اگر ان امور کو حلال اور مستحسن سمجھ لیا جائے تو یہ اطاعت بھی انسان کو کفر کے درجہ تک پہنچا دے گی۔

اس بات کا ادراک کر لینے کے بعد غور کیجئے! موجودہ دور میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو ذاتی طور پر اپنی اطاعت کرواتے ہیں اور کتنے ایسے لوگ ہیں جو انہیں اطاعت کا یہ حق تفویض کرتے ہیں۔ آپ کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ہمارا معاشرہ بزعم خود معبودان باطلہ سے بھرا ہوا ہے۔ بہت سے لوگ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اللہ تعالی کو چھوڑ کر ان کی عبادت

کر رہے ہیں۔)

کوئی چیز اس وقت تک شرک نہیں ہوتی جب تک اس میں مخلوق کے لئے عبادت اور الوہیت کا حق نہ مانا جائے۔اس لئے یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہیئے کہ جب کبھی شرک اور کفر کا تذکرہ ہو تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ عبادت اور الوہیت کا حق غیر اللہ کو تفویض کیا جا رہا ہے۔

یہاں پر عبادت اور الوہیت کا حق غیر اللہ کو تفویض کئے جانے کا راز اللہ تعالی کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت میں مشرکین کی اطاعت کرنے میں پوشیدہ ہے۔اللہ تعالی کی وہ خصوصیت حلال اور حرام کرنا اور کسی چیز کو اچھا یا برا قرار دینا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾ یوسف:۴۰

فرمانروائی صرف اللہ تعالی ہی کی ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدا﴾ الکهف:۲۶

اللہ تعالی اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

جو شخص مخلوق میں سے کسی سے کہے وہ مخلوق کسی بھی قسم کی حالت یا صورت کی ہو خواہ فرد واحد ہو یا ایک نظام ہو یا کوئی پارلیمنٹ ہو: کہ تجھے شریعت وضع کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے، حلال وحرام اور اچھا اور برا جاننے کے لئے ہم تیری ہی بات مانیں گے، جو تو اچھا کہے گا وہی بات اچھی ہوگی اور جسے تو برا کہے گا وہی بات بری ہوگی۔اول و آخر تیرا ہی اختیار چلے گا۔ان تمام امور میں تیری اطاعت کرنا ہمارا فرض ہے۔اس نے اسے الوہیت کا وہ درجہ دے دیا جس کا فرعون نے اپنے بارے میں دعوی کیا تھا۔ایسا شخص اسی کا بندہ ہے اگر چہ وہ نماز پڑھتا رہے اور روزے رکھتا رہے اور مسلمان ہونے کا دعویدار ہو۔اس کے ساتھ ساتھ اس نے اسے اللہ تعالی کی خصوصیات میں اس کا شریک بنا دیا ہے۔

ابن حزم کا قول ہے: عبادت فرمانبرداری اور جھک جانے کا نام ہے یہ عبودیت سے ماخوذ ہے۔ بندہ اسی کا عبادت گذار ہوتا ہے جس کے سامنے وہ جھکے اور جس کے احکامات کی اتباع کرے۔ جو کسی کی

نافرمانی اور مخالفت کرنے والا ہو وہ اس کا عبادت گذار نہیں ہوسکتا بلکہ وہ اس کی عبادت کرنے کے دعوی میں جھوٹا ہوتا ہے۔(الإحکام از ابن حزم: ۱/۹۳)

اس بات کی زیادہ وضاحت اس فرمان الٰہی سے ہوتی ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلاَّ لِيَعْبُدُوا إِلَـهاً وَاحِداً لاَّ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾التوبہ:۳۱

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

امام بغوی اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں: اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان لوگوں نے رکوع اور سجود کی صورت میں اپنے علماء اور صوفیوں کی عبادت نہیں کی تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ انہوں نے اللہ تعالی کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کی اور ان کی حلال کردہ اشیاء کو حلال سمجھا اور ان کی حرام کردہ اشیاء کو حرام جانا اس طرح انہوں نے انہیں رب کی طرح بنالیا۔

عدی بن حاتمؓ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس وقت میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: اے عدی! اس بت کو اپنی گردن سے اتار پھینک ۔میں نے اسے اتار پھینکا۔ جب میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو اس وقت آپ ﷺ یہ آیت کریمہ تلاوت فرمارہے تھے:﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ ﴾، جب آپ ﷺ اس آیت کی تلاوت سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی: ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے ۔تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا ایسا نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالی کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کردیتے ہیں تو تم بھی اسے حرام سمجھ لیتے ہو، اور وہ اللہ تعالی کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کردیتے ہیں اور تم بھی انہیں حلال سمجھ لیتے ہو۔(میں نے کہا ایسا ہی ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہی تو ان کی عبادت ہے۔(تفسیر البغوی: ۳/۲۸۵)

غور کیجئے نبی کریم ﷺ نے کس طرح اللہ تعالی کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے اور حلال کردہ اشیاء کو حرام کرنے کے بارے میں علماء کی بات ماننے کو ان کی عبادت قرار دیا ہے۔اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ بات ان کو رب ماننے کے مترادف ہے۔

اگر یہ علماء لوگوں کو اپنی طرف لئے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیتے تو لوگ کبھی ان کی بات نہ مانتے بلکہ شاید انہیں رجم ہی کر دیتے۔کیونکہ اس قسم کے تمام شعائر ظاہری عبادات میں شمار ہوتے ہیں اور خاص تو خاص عوام الناس کی نگاہ سے بھی نہیں چھپ سکتے۔لیکن خطرناک پہلو یہ ہے کہ ان علماء نے اطاعت اور فرمانبرداری کا مطالبہ کیا ہے جس میں عبادت کا پہلو اکثر لوگوں کی نگاہ میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس لئے اکثر لوگوں نے ان کی بات مان لی اور اس میں کوئی حرج بھی نہ سمجھا۔اس صورت میں وہ اللہ تعالی کو چھوڑ کر ان کے عبادت گذار بن گئے۔

ابوالبختری کا قول ہے: ان لوگوں نے ان کے لئے نماز نہیں پڑھی، اگر وہ لوگوں کو رکوع وسجود کی صورت میں اللہ کے علاوہ اپنی عبادت کرنے کا حکم دیتے تو لوگ کبھی ان کی بات نہ مانتے۔لیکن انہوں نے اس کے لئے ایک خفیہ راستہ اختیار کیا یعنی انہوں نے اللہ تعالی کی حلال کردہ اشیاء کو حرام اور حرام کردہ اشیاء کو حلال کر دیا تو لوگوں نے ان کی بات مان لی یہ ان کی عبادت کرنے اور انہیں رب تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔(فتاوی ابن تیمیہ: ۷/۶۷)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: جس نے اوامر ونواہی میں رسول ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی اطاعت کو واجب سمجھا (رسول ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالی کی اطاعت ہے کیونکہ رسول صرف اسی بات کا حکم دیتے ہیں جس کا اللہ تعالی نے انہیں حکم دیا ہو۔نبی کریم ﷺ کا بھی ارشاد ہے: جس نے میری اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ تعالی کی اطاعت کی۔رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور تابعداری کا حکم قرآن کریم میں مختلف مقامات پر تقریبا تینتیس مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔) اگرچہ وہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کا مخالف ہی کیوں نہ ہو اس نے ایسے شخص کو اللہ تعالی کا شریک بنا دیا۔بعض اوقات یہ لوگ اسے وہی درجہ دے دیتے ہیں جو درجہ عیسائیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو دیا تھا۔یہ شرک کی وہ قسم ہے جو ایسے شخص کو اس فرمان الہی کی وعید میں داخل کر دیتی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّٰهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِّلّٰهِ﴾ البقرہ:١٦٥ (فتاوی ابن تیمیہ:١٠/ ٢٦٧)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہئے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

اور فرمایا: جو شخص اس بات کا مطالبہ کرے کہ اللہ تعالی کو چھوڑ کر اس کی اطاعت کی جائے یہ شخص فرعون جیسا ہے۔ (کیونکہ فرعون نے اس بات کا مطالبہ کیا تھا کہ صرف اسی کی بات مانی جائے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے دور میں کتنے فرعون پیدا ہو چکے ہیں جو اپنے بارے میں اس قسم کا دعوی کرتے ہیں۔)

جو یہ مطالبہ کرے کہ اللہ تعالی کے ساتھ اس کی بھی اطاعت کی جائے تو یہ چاہتا ہے کہ لوگ اللہ کے علاوہ کچھ دوسروں کو بھی شریک بنالیں انہیں بھی محبت کا وہی درجہ دیں جو کہ وہ اللہ تعالی کو دیتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالی نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ عبادت صرف اور صرف خاص اسی کی کی جائے، پکار صرف اسی کے لئے ہو، محبت اور دشمنی بھی صرف اسی کی ذات کے لئے رکھی جائے۔ (فتاوی ابن تیمیہ:١٤/ ٣٢٨)

سید قطبؒ پر اللہ تعالی کی رحمتیں نازل ہوں وہ فرماتے ہیں: بندوں میں سے اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ بندوں پر اس کا حق ہے کہ وہ ذاتی طور پر اس کی اطاعت کریں، اور ذاتی طور پر اس کے وضع کردہ احکامات مانیں، اسی طرح اسے ذاتی طور پر ان کے لئے قوانین اور دستور وضع کرنے کا حق ہے یہ الوہیت کا دعوی ہوگا۔ اگر چہ وہ یہ بات نہ بھی کہے جو فرعون نے کہی تھی کہ ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى﴾۔ ایسے شخص کی بات ماننا اور اسے کوئی مقام اور مرتبہ دینا اللہ تعالی کے ساتھ کفر اور شرک ہوگا۔ اور یہ زمین میں فساد کی بدترین صورت ہوگی۔

حلال وحرام کرنے کا اختیار صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کے پاس ہے۔ یہ اختیار کسی فرد، بشر، گروہ یا قوم حتی کہ تمام لوگوں کو بھی نہیں دیا جاسکتا۔ اس قسم کی قانون سازی کا اختیار اگر کسی کو ملے گا تو صرف اور صرف اللہ تعالی کی نازل کردہ دلیل کے تحت اس کی وضع کردہ شریعت کے موافق ہی ملے گا۔

حلال وحرام قرار دینا ہی اصل میں شریعت اور دین ہے۔ اگر حلال وحرام قرار دینے کا اختیار اللہ تعالی

کے پاس ہوتو لوگ اللہ تعالی کے دین میں ہوں گے۔اگر حلال وحرام قرار دینے والا اللہ تعالی کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتو لوگ اس دوسرے کے دین میں ہوں گے اور اللہ تعالی کے دین میں باقی نہیں رہیں گے۔اس لحاظ سے یہ مسئلہ الوہیت اوراس کے خصائص، دین اوراس کے مفہوم،ایمان اوراس کی حدود سے متعلقہ مسئلہ ہوگا۔اس لئے تمام دنیا کے مسلمانوں کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ اس معاملے میں کہاں کھڑے ہیں؟ان کا دین کہاں ہے؟ان کا اسلام کہاں ہے؟اگر چہ وہ اپنے اسلام پر ہونے کے دعوی پر مصر ہی کیوں نہ ہوں۔(طریق الدعوۃ فی ظلال القرآن:۲/۱۷۰،۱۷۹)

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے اطاعت کا قضیہ اچھی طرح حل کردیا ہے۔تاکہ کوئی جانتے بوجھتے ہوئے یا غلطی سے اس بارے میں غلط راستے پر گامزن نہ ہوسکے۔اسلام نے یہ قانون وضع کردیا ہے کہ مخلوق جوکوئی بھی ہو اللہ تعالی کی نافرمانی میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔البتہ نیکی کے کاموں اور اللہ تعالی کی اطاعت میں مخلوق کی بات مانی جاسکتی ہے۔اس کے علاوہ کلی طور پر مخلوق کی بات نہ سنی جائے گی اور نہ مانی جائے گی۔

حدیث میں ہے: ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ امیر کی بات سنے اور مانے خواہ وہ اسے پسند کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، جب تک اسے اللہ تعالی کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے۔اگر اسے نافرمانی کا حکم دیا جائے تو اس کے لئے امیر کی بات سننا اور ماننا ضروری نہیں۔(متفق علیہ)

ایک دوسری روایت میں ہے:

اللہ تعالی کی نافرمانی میں کسی بشر کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔کسی بشر کی اطاعت صرف معروف کے کاموں میں ہی ہوگی۔

اور فرمایا:

جب تک امیر اللہ تعالی کی نافرمانی کا حکم نہ دے اس وقت اس کی اطاعت کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔اگر وہ اللہ تعالی کی نافرمانی کا حکم دے تو اس کی بالکل اطاعت نہیں کی جائے گی۔(احمد،السلسلۃ الصحیحۃ:۲/۱۳۹)

اور فرمایا:

میرے بعد ایسے لوگ تمہارے حکمران بنیں گے جو سنت کو ختم کریں گے اور بدعت کو رواج دیں گے۔ اور نماز کو اس کے مقررہ وقت سے موخر کریں گے۔ راوی (عبداللہ بن مسعودؓ) کہتے ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میں ایسے لوگوں کو پالوں تو کیا کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ام عبد کے بیٹے تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ تو کیا کرے؟ جو اللہ تعالی کی نافرمانی کرے اس کی بالکل اطاعت نہیں کی جائے گی۔ (السلسلۃ الصحیحۃ: ۷۵۲)

اور فرمایا:

تمہارے حکمرانوں میں سے جو تمہیں اللہ تعالی کی نافرمانی کا حکم دے اس کی بات ہرگز نہ مانو۔

(احمد، السلسلۃ الصحیحۃ: ۲۳۲۴۔ مذکورہ احادیث میں امیر کی بات ماننے کے بارے میں مذکور نہی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ امام کے خلاف خروج کیا جائے گا اور اس کی مطلقا اطاعت نہ کی جائے۔ بلکہ یہاں صرف ان امور کو ماننے سے روکا گیا ہے جو اللہ تعالی کی نافرمانی کے کام ہوں گے۔ البتہ نافرمانی کے جن کاموں کا امیر حکم دے رہا ہو اگر ان کا تعلق ان امور سے ہو جو بندے کو کفر تک پہنچا دینے اور دین سے خارج کر دینے کا باعث ہوں تو اس صورت میں مطلق طور پر امیر کی اطاعت نہیں کی جائے بلکہ اس کے خلاف خروج بھی کیا جائے گا۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَن يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ اور اللہ تعالی کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اگر تم ان میں صریح کفر دیکھو تو پھر تمہارے پاس اللہ کی طرف سے خروج کرنے کے بارے میں دلیل موجود ہے۔ اور فرمایا: جو اپنے دین سے پھر جائے اسے قتل کر دو۔)

والدین کی فضیلت اور اولاد پر ان کے احسانات کی وجہ سے شریعت نے والدین کا بہت بڑا حق رکھا ہے۔ لیکن ان کے بارے میں بھی یہ حکم دیا گیا کہ اگر وہ اپنی اولاد کو اللہ تعالی کی نافرمانی کرنے کا حکم دیں تو ان کی بات بھی نہیں مانی جائے گی۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَى أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾ لقمان: ۱۵

اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہ ہو تو تو ان کا کہنا نہ ماننا۔

2- فیصل تسلیم کرنا: اسی طرح عبادت اوراس کے مختلف شعبوں میں ''فیصل تسلیم کرنا'' بھی داخل ہے ۔اگر بندہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اللہ تعالی کی شریعت کوحکم اور فیصل تسلیم کرتا ہوتو وہ اللہ تعالی کا بندہ ہے۔اگر وہ کسی غیر کی شریعت کوحکم تسلیم کرے،وہ غیر کوئی بھی ہواور یہ حکم تسلیم کرنا خواہ اس کی زندگی کے کسی معمولی فیصلے کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو وہ اس غیر کا بندہ ہوگا اور عبادت کے تمام تر مفاہیم کے اعتبار سے وہ اسی کا عبادت گذار ہوگا۔اس میں راز یہ ہے کیونکہ فیصلہ،شریعت سازی،قوانین اور دستور وضع کرنا یہ سبھی الوہی خصوصیات ہیں ۔جس نے اللہ تعالی سے ہٹ کر یا اس کے ساتھ رہتے ہوئے اس خصوصیت کو اپنی طرف منسوب کیا تو اس نے اپنے بارے میں الوہیت کا دعوی کیا،اوراللہ تعالی کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت کے بارے میں اپنے آپ کواللہ تعالی کا شریک بنالیا۔اس کے ساتھ ساتھ جس نے اللہ تعالی کے علاوہ یااس کے ساتھ کسی دوسرے کے بارے میں اس حق کوتسلیم کیااوراس سے فیصلہ کروانے کے لئے اس کی طرف رجوع کیا وہ اللہ تعالی کوچھوڑ کراس کی بندگی کرنے والا ہوگیا۔وہ اس بات کوتسلیم کرے یانہ کرے اوروہ ایسا دانستہ طور پر کررہا ہو یا نادانستگی میں اس سے یہ سرزد ہورہا ہو۔

عمل تحاکم اصل میں ایک عبادت کا نام ہے جس میں فیصلہ کروانے والا اصل میں فیصلہ کرنے والے کی عبادت کرنے والا ہوتا ہے ۔فیصلہ کرنا اورشریعت وضع کرنا الوہی تضاضے اور خصائص میں سے ہے اپنے اس دعوی کو ہم شرعی دلائل سے ثابت کریں گے ۔یہ اللہ تعالی کی بڑی بڑی خصوصیات میں سے ایک ہے اس میں مخلوق میں سے کسی کواللہ تعالی کا شریک بنانا درست نہیں۔مخلوق میں سے کوئی خواہ کسی بھی مقام اورمرتبے کا حامل ہواگر وہ اپنے لئے حکم بننے کا دعویدار ہےتو اس نے بزعم خود الوہیت کا دعوی کیااوراپنے آپ کو بندوں کا معبود بنالیا،اوروہ اللہ تعالی کی خصوصیات میں اس کا شریک بن گیا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُواْ إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ﴾ یوسف:۴۰

فرمانروائی صرف اللہ تعالی ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

ایسی نفی جس کے بعد اثبات ذکر ہو حصر اور قصر کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی حکم جس سے مراد شریعت ہے اور جس میں فیصلہ کرنا اور امر و نہی شامل ہے اس کا اختیار اللہ تعالی کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں۔ پھر اس کے بعد ایک دوسری نفی اور اثبات ذکر کئے گئے ہیں۔ اس میں اللہ تعالی کا یہ حکم ذکر کیا گیا ہے کہ عبادت کی تمام جزئیات اور اطراف میں اس کے علاوہ کسی دوسرے کو نہ پوجا جائے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فیصلہ کرنا اور حکم دینا اللہ تعالی کی خصوصیات میں سے ہے اس میں اس کی مخلوقات میں سے کوئی اس کا شریک نہیں ہوسکتا۔ مخلوقات میں سے جو کوئی بھی اس حق کا دعویدار ہو اس نے الوہیت کا دعوی کیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالی کا شریک بنا دیا۔ اسی طرح اگر کوئی دوسرا اس کے لئے یہ حق ثابت کرے تو اس نے اللہ تعالی کے علاوہ اس کے لئے بندگی کو ثابت کیا ہے، اور اسے عبادت میں اللہ تعالی کا شریک بنا دیا۔

امام بغویؒ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں: ﴿إِنِ الْحُكْمُ﴾ سے مراد یہ ہے کہ فیصلہ کرنا اور امر و نہی کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی کے لئے ہے۔ (تفسیر البغوی: ۲/ ۴۲۷)

سید قطبؒ رقمطراز ہیں: حکم صرف اور صرف اللہ تعالی کے لئے ہے۔ اللہ تعالی کی صفت الوہیت کی وجہ سے حکم بھی صرف اور صرف اللہ تعالی کے لئے خاص ہے۔ کیونکہ حکم دینا الوہیت کے اہم ترین خصائص میں سے ہے۔ جس کسی نے حکم میں اپنے حق کا دعوی کیا اس نے اللہ تعالی کی الوہیت کے اہم ترین خصائص میں سے ایک خصوصیت میں اللہ تعالی کے ساتھ نزاع کیا۔ اس بات میں کوئی فرق نہیں اس حق کا دعوی کرنے والا خواہ فرد واحد ہو، یا لوگوں کا ایک مخصوص طبقہ ہو، کوئی مخصوص جماعت ہو، کوئی ادارہ ہو یا قوم ہو یا پھر ایک عالمی تنظیم کی صورت میں تمام لوگ ہوں۔ جس کسی نے اللہ تعالی کی اس اہم ترین خصوصیت میں اس کے ساتھ نزاع کیا یا اس میں اپنے حق کا دعوی کیا وہ اللہ تعالی کے ساتھ کفر صریح کا مرتکب ہوا۔ اور اسے کافر قرار دینے کے لئے یہی ایک نص ہی کافی ہے۔

اس حق کا دعوی کرنے کی صرف ایک ہی صورت نہیں ہے جو بندے کو دین قیم سے خارج کرنے کا باعث ہے اور اسے اللہ تعالی کی اہم ترین خصوصیت میں اس کے ساتھ جھگڑا کرنے والی بنا دیتی ہے۔ الوہیت میں اللہ تعالی کا شریک ہونے کی صرف یہی صورت نہیں ہے کہ بندہ کہے: میرے علم کے مطابق میرے علاوہ تمہارا کوئی اور معبود نہیں یا یہ کہے کہ: میں ہی تمہارا سب سے اعلی رب ہوں، جیسا کہ فرعون نے علی الاعلان اس بات کا دعوی کیا تھا۔ بلکہ بندے کو دین سے خارج کرنے اور اللہ تعالی کا مخالف بنانے کی یہ بھی ایک صورت ہے کہ بندہ حاکمیت کا اختیار اللہ تعالی کی بجائے کسی اور کی طرف منتقل کردے۔ اور اس کے قوانین کا اصدار کسی دوسری طرف سے ہو۔ بندے کی طرف سے مجرد اس بات کا دعوی کہ حاکمیت کا اختیار اللہ تعالی کے سوا کسی اور طاقت کے پاس ہے خواہ یہ دعوی ساری امت کے لئے ہو یا تمام بشریت کے لئے ایسا کرنے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

ارشاد ربانی: ﴿أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ کے بارے میں سید قطبؒ رقمطراز ہیں: جب ہم عبادت کا مفہوم اس طریقے کے مطابق سمجھتے ہیں کہ خشوع وخضوع اور سر کا جھکانا صرف صرف اللہ تعالی کے لئے ہی ہے اور اسی اکیلے کے احکام کی اتباع کی جائے گی تو ہمیں اس بات کی سمجھ بھی آتی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالی کی خصوصیت عبادت کو خصوصیت حکم کے ساتھ کیوں معلل کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عبادت اور سر تسلیم خم اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک حکم کا اختیار کسی غیر کے پاس موجود رہے۔

دوسری مرتبہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حکم کے بارے میں اللہ تعالی سے جھگڑا کرنا ایسا کرنے والے کو دین سے خارج کر دینے کا باعث ہے۔ کیونکہ حکم کے بارے میں اللہ تعالی سے مخاصمہ کرنے سے انسان اللہ واحد کی عبادت سے خارج ہو جاتا ہے، اور یہی وہ شرک ہے جو اپنے صاحب کو قطعی طور پر اللہ تعالی کے دین سے خارج کر دیتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ اللہ تعالی کے حکم میں اس سے جھگڑا کرنے والے کسی شخص کے اس دعوی کا اقرار کرتے ہیں، اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں، اللہ تعالی کے حکم اور اس کی خصوصیات کے حق میں صریح انداز میں ڈاکہ ڈالنے کے جرم میں ان کے خلاف ان کے دلوں میں کوئی غیض وغضب نہیں اٹھتا یہ سبھی لوگ اللہ تعالی کے میزان میں برابر ہیں۔

﴿ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ﴾ یہ تعبیر قصر کا فائدہ دیتی ہے، یعنی صرف وہی دین قیم اور مضبوط ہے جس میں اللہ تعالی کے لئے خصوصیت عبادت کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ خصوصیت حکم کا بھی اقرار کیا جائے اس کے علاوہ کوئی ایسا دین نہیں ہے جو اس درجہ تک پہنچ سکے۔(فی ظلال القرآن:۴/۱۹۹۰-۱۹۹۱)

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَداً ﴾ الکہف:۲۶

اللہ تعالی اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

طبریؒ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: اللہ تعالی کے فیصلے اور حکم میں اس کی مخلوق میں سے کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ بلکہ اللہ تعالی بندوں کے درمیان حکم لاگو کرنے اور فیصلہ کرنے میں منفرد ہے۔اور اسی طرح وہ اپنی مرضی کے مطابق جیسے چاہتا ہے ان کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور انہیں چلاتا ہے ۔(تفسیر طبری:۸/۲۱۲)

شنقیطیؒ کا قول ہے: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی کے حکم اور فیصلہ میں کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ بنائے۔حکم صرف اور صرف اللہ تعالی کا ہے کسی بھی صورت میں غیر اللہ کو اس بات کا اختیار نہیں دیا جا سکتا۔حلال وہی ہے جسے اللہ تعالی نے حلال قرار دیا اور حرام وہی ہے جسے اللہ تعالی نے حرام قرار دیا۔ دین وہی جسے اللہ تعالی نے متعین فرمایا ہے اور فیصلہ وہی ہے جو اللہ تعالی نے صادر فرمایا ہے۔مذکورہ ارشاد ربانی ﴿ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَداً ﴾ میں حکم اللہ تعالی کے تمام فیصلوں کو شامل ہے۔اللہ تعالی کے فیصلوں میں شریعت بالاولی داخل ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ نے جس مسئلہ کو بیان کیا ہے کہ حکم کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی کو ہے کوئی دوسرا اس میں اس کا شریک نہیں ہوسکتا اس مفہوم کی وضاحت قرآن کریم کی متعدد دوسری آیات سے بھی ملتی ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُواْ إِلَّا إِيَّاهُ ﴾ یوسف۴۰

فرمانروائی صرف اللہ تعالی ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی

عبادت نہ کرو

اورفرمایا:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ﴾یوسف:٦٧

فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اسی پر میں نے توکل کیا۔

اورفرمایا:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ﴾الشوریٰ:١٠

اور جس جس چیز میں تمہاراا ختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔

اورفرمایا:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴾القصص:٨٨

ہر چیز فنا ہونے والی مگر اسی کا منہ (اور ذات) اسی کے لئے فرمانروائی ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اورفرمایا:

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾المائدہ:٥٠

کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟

اورفرمایا:

﴿أَفَغَيْرَ اللّهِ أَبْتَغِي حَكَماً وَهُوَ الَّذِي أَنَزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلاً ﴾الأنعام ١١٤ (أضواء البیان:٤/٨٢)

تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم ورضا کا یہ لازمی خاصہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرنے

اورشریعت سازی میں منفرد ہے۔ فیصلہ کرنا اللہ تعالی کی خصوصیات میں سے ہے اس میں مخلوقات میں سے کوئی بھی اللہ تعالی کا شریک نہیں ہوسکتا۔ بندوں میں سے جو اللہ تعالی کے علاوہ یا اس کے ساتھ اپنی ذات کے لئے حکم یا فیصلہ کرنے کا دعویدار ہو اس نے الوہیت اور ربوبیت کا دعوی کیا۔ اور اپنے آپ کو اللہ تعالی کا شریک، ساجھی اور لوگوں کا معبود بنالیا۔

اس مسئلے کی وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل دلائل کافی ہیں۔ فرعون کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ يَا أَيُّهَا الۡمَلَأُ مَا عَلِمۡتُ لَكُم مِّنۡ إِلَٰهٍ غَيۡرِي﴾ القصص:۳۸

فرعون کہنے لگا اے درباریو! میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں سمجھتا۔

اور فرمایا:

﴿فَحَشَرَ فَنَادَى ☆ فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الۡأَعۡلَى﴾ النازعات:۲۳-۲۴

پھر سب کو جمع کر کے پکارا، تم سب کا رب میں ہی ہوں۔

یہاں فرعون نے جس الوہیت اور ربوبیت کا دعوی کیا ہے اس سے اس کی یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا اور اس کے نظام کو چلانے والا ہے بلکہ وہ تو ایک مچھر یا اس سے کوئی حقیر ترین چیز پیدا کرنے سے بھی عاجز ہے۔ موسی علیہ السلام نے جب اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر اپنے عصا کو اس کے سامنے زمین پر پھینکا اور وہ ایک زندہ اژدھا کی صورت دھار گیا تو فرعون کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ اپنے اور اپنی بادشاہت کے دفاع کے لئے ماہر ترین جادوگروں کو طلب کرے۔ لیکن فرعون یا اس کے جادوگروں کی کیا مجال کہ وہ اللہ تعالی کے معجزات اور اس کی نشانیوں کا مقابلہ کرسکیں۔

فرعون کے دعوی الوہیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ صرف یہی چاہتا تھا کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا لوگوں کا حاکم نہیں کہ جس سے لوگ اپنی زندگی کے فیصلے کرواسکیں۔

اس نے اپنی قوم اور لشکر میں جو منادی کی اس میں یہ مفہوم بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَالَ فِرۡعَوۡنُ مَا أُرِيكُمۡ إِلَّا مَا أَرَى وَمَا أَهۡدِيكُمۡ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ﴾ غافر:۲۹

فرعون بولا: میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں۔

پس شریعت اور رائے وہی بہتر تھی جو کہ فرعون کی وضع کردہ اور اس کی رائے کے مطابق تھی کسی دوسرے کی رائے اور شریعت کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔یہی وہ الوہیت اور ربوبیت کا دعوی تھا جسے فرعون اپنے آپ کے لئے ثابت کرتا تھا۔جس نے فرعون کے اس دعوی کو تسلیم کیا اور اس کی اتباع کی اس نے عبادت کی بہت سی اقسام میں سے ایک قسم کو فرعون کے لئے خاص کر دیا۔

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مخلوقات میں سے جو کوئی خواہ وہ کسی بھی شکل وصورت اور قسم کا ہو،فرد واحد ہو یا کوئی ادارہ ہو،کوئی جماعت ہو یا کوئی قوم ،کسی بھی زمانے کا ہو وہ جو کوئی بھی ہو اپنے لئے یہ دعوی کرتا ہے کہ اس کے پاس حکم دینے اور شریعت سازی کا اختیار ہے اور بندوں کے لئے اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے اس نے اپنے لئے اسی قسم کی الوہیت اور ربوبیت کا دعوی کیا جو فرعون نے اپنی ذات کے لئے کیا تھا۔اگر چہ وہ اپنی زبان سے یہ بات نہ کہے جو فرعون نے کہی تھی:

﴿مَا عَلِمۡتُ لَكُم مِّنۡ إِلَٰهٍ غَيۡرِي﴾ القصص:۳۸

میں تو اپنے سوا کسی کو تمہارا معبود نہیں سمجھتا۔

اور:

﴿فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الۡأَعۡلَى﴾ النازعات:۲۴

تم سب کا رب میں ہی ہوں۔

قرآن کی متعدد دوسری آیات میں بھی ہمیں اسی قسم کا مفہوم نظر آتا ہے،ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلۡ يَا أَهۡلَ الۡكِتَابِ تَعَالَوۡاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاء بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ أَلَّا نَعۡبُدَ إِلَّا اللّهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهِ شَيۡئاً وَلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضاً أَرۡبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوۡاْ فَقُولُواْ اشۡهَدُواْ بِأَنَّا مُسۡلِمُونَ﴾ آل عمران:۶۴

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ تعالی کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، نہ اللہ تعالی کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔ پس اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔

اور فرمایا:

﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ﴾ التوبہ:۳۱

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں انہوں نے جس ربوبیت کا دعوی کیا تھا نبی کریم ﷺ نے اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ انہوں نے شریعت سازی کا اختیار اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور انہوں نے اللہ تعالی کی نازل کردہ دلیل کے بغیر ہی لوگوں کے لئے چیزوں کو حلال اور حرام کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح لوگوں نے ان کی بات ماننا شروع کر دی اور ان کی اطاعت کرنا شروع کر دی یہ ان کی عبادت کرنے کے مترادف تھا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلاَلاً بَعِيداً﴾ النساء:٦٠

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعوی تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔

شوکانیؒ کا قول ہے: اس آیت مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان لوگوں کے طریقے پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے جو اپنے آپ کے لئے اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ

کتاب یعنی قرآن پر بھی ایمان لائے ہیں اور آپ ﷺ سے پہلے انبیاء پر نازل شدہ کتابوں پر بھی ایمان لائے ہیں۔لیکن عملی طور پر وہ ایسی بات کے مرتکب ہوتے ہیں جو ان کے اس دعوی کے بطلان کا باعث ہوتی ہے اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کا مذکورہ دعوی حقیقت پر مبنی نہیں۔عملی طور پر یہ بات ہے کہ وہ ہر فیصلہ اللہ تعالی کی نازل کردہ کتاب سے کروانے کی بجائے طاغوت سے کرواتے ہیں یہ ان کے دعوی کے بطلان کا باعث ہے۔(اللہ تعالی کی شریعت کے علاوہ ہر وضع شدہ شریعت طاغوت کے مفہوم میں داخل ہے،ان شاءاللہ آئندہ اس کا تفصیل سے تذکرہ آئے گا۔)

حالانکہ انہیں رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ کتاب اور آپ ﷺ سے پہلے نازل شدہ کتابوں میں طاغوت کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔(فتح القدیر:۱/۴۸۲)

شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رقمطراز ہیں: اللہ تعالی کا فرمان:﴿يَزْعُمُونَ﴾ان کے دعوی ایمان کی تکذیب کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔کیونکہ بنیادی طور پر ایمان اور نبی کریم ﷺ کی شریعت کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے فیصلہ کروانا،یہ دونوں باتیں ایک ہی دل میں جمع نہیں ہوسکتیں۔بلکہ ایمان دوسرے کی نفی کرتا ہے۔(رسالۃ تحکیم القوانین)

امام ابن القیم الجوزیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے اپنے نفس مقدسہ کی قسم اٹھائی ہے اور قسم سے پہلے مخلوق کے ایمان کی قطعی طور پر اس وقت تک کے لئے نفی کی ہے جب تک وہ اس کے رسول ﷺ کو اپنے تمام معاملات خواہ وہ اصولی ہوں یا فروعی،تمام احکام شریعت،آخرت کے تمام احکام اور اپنی تمام عادات واطوار میں فیصل تسلیم نہ کرلیں۔مزید یہ کہ صرف فیصل مان لینے سے ہی ایمان مکمل نہیں ہوجاتا بلکہ سینے کی تنگی کا دور ہونا یعنی اس فیصلے کو کھلے دل کے ساتھ قبول کرنا بھی لازمی شرط ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ اس فیصلے پر مکمل طور پر رضامندی کا اظہار بھی ہو اور اس کی مخالفت یا اس پر اعتراض کرنے والا نہ ہو۔(التبیان فی أقسام القرآن)

میرا نظریہ یہ ہے کہ: چونکہ اللہ تعالی کی شریعت کو فیصل مانے بغیر بندے کا ایمان ثابت نہیں ہوتا اس لئے اس سے مندرجہ ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں: پہلی یہ کہ اللہ تعالی کی شریعت سے فیصلہ کروانا اس کی عبادت

کے مترادف ہے کیونکہ یہ ایمان کے ثبوت کی شرط ہے۔کوئی چیز اس وقت تک ایمان کی شرط نہیں ہوسکتی جب تک وہ اللہ تعالی کی عبادت کی کسی قسم میں شامل نہ ہو۔دوسری بات یہ کہ اللہ تعالی کی شریعت سے فیصلہ نہ کروانے سے بندے کے ایمان کی نفی ہوجاتی ہے۔پہلے اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ ایمان کی اس وقت تک نفی نہیں ہوسکتی جب تک بندہ اللہ کی عبادت میں مخلوق کو شامل کر کے شرک کا مرتکب نہیں ہوجاتا خواہ یہ کسی بھی طریقے سے ہو۔

ان دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تحاکم ایک قسم کی عبادت ہی ہے جس میں فیصلہ کروانے والا فیصلہ کرنے والے کی عبادت کرنے والا ہوتا ہے۔اس لئے جو شخص اپنی زندگی کے تمام عام و خاص معاملات میں اللہ وحدہ لاشریک سے فیصلہ کرواتا ہے وہ اللہ تعالی کا عبادت گذار ہے۔جو کسی غیر سے فیصلہ کرواتا ہے اور یہ غیر خواہ کوئی بھی اور یہ فیصلہ خواہ زندگی کے کسی کمترین معاملے کے بارے میں ہی کیوں نہ ہو ایسا کرنے والا اس غیر کا عبادت گذار ہوتا ہے۔

قرضاوی اپنی کتاب ''العبادۃ'' میں رقمطراز ہیں: مخلوق میں سے اگر کوئی شریعت سازی کا دعویدار ہو اور اللہ تعالی کے حکم کے بغیر خود ہی حلال وحرام کرنے کی جرأت کرلے وہ اللہ تعالی کی حدود سے تجاوز کرنے والا ہوتا ہے۔اس نے اپنے آپ کو دانستہ یا نادانستہ طور پر الہ یا رب بنالیا۔

جس کسی نے اس کے لئے یہ حق تسلیم کرلیا اور اس کے وضع کردہ قوانین اور نظام کے سامنے اطاعت کا مظاہرہ کیا،اس کے مذہب اور قانون کے سامنے جھک گیا،اس کے حلال کردہ کو حلال سمجھا اور حرام کردہ کو حرام تسلیم کرلیا اس نے اسے رب تسلیم کرلیا اور اللہ کے ساتھ یا اس کے علاوہ اس کی عبادت کرنا شروع کردی اور وہ شعوری یا لاشعوری طور مشرکین کے گروہ میں شامل ہوگیا۔(کتاب العبادۃ از یوسف قرضاوی،صفحہ نمبر:۵۵)

علامہ شنقیطی رقمطراز ہیں: ارشاد ربانی ﴿ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَداً ﴾ اور اس قسم کی دوسری آیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالی کی شریعت کے مقابلے میں قانون سازی کرنے والوں کی بات ماننے والے اللہ تعالی کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔بہت سی دوسری آیات بھی اسی

مفہوم کی وضاحت کرتی ہیں۔

اس کی سب سے واضح ترین دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے سورۃ النساء میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ تعجب ہے ان لوگوں پر جو ان لوگوں کو مومن سمجھتے ہیں جو اللہ تعالی کی شریعت سے ہٹ کر کسی دوسرے سے فیصلہ کروانے کے خواہش مند ہیں۔ کیونکہ طاغوت سے فیصلہ کروانے کی خواہش کے ساتھ ان کا ایمان کا دعوی انتہاء درجے کے جھوٹ پر مبنی ہے اور یہ بڑی قابل تعجب بات ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ﴾ النساء:٦٠

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعوی تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں۔

مذکورہ آسمانی دلائل سے یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ جو لوگ شیطان کے وضع کردہ قوانین جن کا وہ اپنے اولیاء کی زبانی اعلان کرواتا ہے کو اللہ تعالی کے قوانین پر ترجیح دیتے ہیں جن کا اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر کی زبانی اعلان کیا ہے ایسے لوگوں کے کافر اور مشرک ہونے میں صرف وہی شخص شک کرسکتا ہے جس کی بصیرت اللہ تعالی نے چھین لی ہو (موجودہ دور میں اس قسم کے لوگ کس قدر کثرت کے ساتھ موجود ہیں، ان میں سے بعض تو ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالی کے باغی اور سرکش لوگوں کو کافر نہیں سمجھتے حالانکہ ان میں تمام نواقض اسلام موجود ہوتے ہیں۔)

اور وحی کے نور کو پہچاننے سے اس کی آنکھوں کو اندھا کر رکھا ہو۔ (أضواء البیان: ۴/۸۳-۸۴)

اس اہم ترین معاملے کے حوالے سے جو شخص امت کی موجودہ حالت پر غور کرے اسے اس بات کا ادراک ہوجائے گا کہ یہ دین اسی طرح اجنبی ہوچکا ہے جس طرح یہ اپنی ابتداء کے دنوں میں اجنبی تھا بلکہ آج معاملہ اس سے بھی کہیں زیادہ سنگین ہے۔ کیونکہ اکثر علاقوں اور ملکوں میں حاکم اور شریعت ساز

صرف طاغوت ہی ہے اور طاغوت کی شریعت کی اتباع کی جاتی ہے اور لوگ اطاعت کے مکمل جذبے اور نفس کی تنگی کے بغیر اس سے فیصلہ کرواتے ہیں۔اس طرح یہ لوگ شیطان کے پجاری مشرکین کے گروہ میں شامل ہوگئے ہیں خواہ وہ ایسا شعوری طور پر کرتے ہوں یا لاشعوری طور پر اس کے مرتکب ہورہے ہوں۔اس کے باوجود آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روزے بھی رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتے ہیں۔

3- محبت اور ناپسندیدگی (دوستی اور دشمنی):

جو چیزیں عبادت کے مفہوم میں شامل ہیں ان میں محبت اور ناپسندیدگی اور دوستی اور دشمنی بھی شامل ہیں۔جس شخص کی دوستی اور دشمنی، محبت اور ناپسندیدگی اللہ تعالی کے لئے ہو اور اللہ کے دین کے بارے میں ہو اس حیثیت سے کہ وہ اسی چیز سے محبت کرے جس سے اللہ تعالی محبت کرتا ہو اور اس چیز کو ناپسند سمجھے جو اللہ تعالی کو ناپسند ہو، اور جو اللہ اور اس کے رسول کا دوست ہو اس سے دوستی رکھے اور جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہو اس سے دشمنی رکھے، اور اس بات سے خوش ہو جس سے اللہ تعالی خوش ہوتا ہو اور اس بات سے ناراض ہو جس سے اللہ تعالی ناراض ہوتا ہو۔اللہ تعالی کا مکمل عبادت گذار بننے اور دین کی تکمیل کی صرف یہی ایک صورت ہے۔جس شخص کی محبت اور ناپسندیدگی ، اور دوستی اور دشمنی غیر اللہ کے لئے ہوگی ایسا شخص اس غیر کا عبادت گذار ہوگا خواہ اس کی کوئی بھی صورت اور وہ شخص اس بات کا اقرار کرے یا نہ کرے۔

نبی کریم ﷺ سے ثابت صحیح حدیث میں ہے:

آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ تعالی کے لئے محبت کی ، اور اللہ تعالی کے لئے دشمنی رکھی ، اللہ تعالی کے لئے عطا کیا اور اللہ تعالی کے لئے ہی روکا اس کا ایمان مکمل ہوگیا۔(أبوداؤد، السلسلۃ الصحیحۃ: ۳۸۰)

اور فرمایا:

ایمان کا سب سے مضبوط سہارا اللہ تعالی کے لئے دوستی رکھنا، اللہ تعالی کے لئے دشمنی رکھنا، اللہ

تعالیٰ کے لئے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے لئے بغض رکھنا ہے۔(أحمد، صحیح الجامع الصغیر:۲۵۳۹)

ان تمام چیزوں کو ایمان کا سب سے مضبوط سہارا اس وجہ سے کہا گیا ہے کیونکہ ان تمام امور کے ذریعے سے بندگی درجہ کمال اور اعلیٰ ترین مرتبے کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔اس لئے جس کسی نے دوستی اور دشمنی کا یہ معیار غیر اللہ کے لئے روا رکھا اس نے عبودیت اور بندگی کو اپنے اعلیٰ ترین مراتب کے ساتھ غیر اللہ کے لئے ثابت کر دیا۔

اللہ تعالیٰ ہی وہ واحد ہستی ہے جس سے ذاتی طور پر محبت کی جاسکتی ہے۔باقی تمام سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کی جائے گی۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو محبت میں شریک نہیں کیا جاسکتا۔مخلوقات میں سے کوئی کسی بھی شکل وصورت یا شخصیت کا حامل ہو(جن سے محبت کی جارہی ہے خواہ وہ کوئی بشر ہو یا کوئی مادی چیز مثلاً مٹی یا وطن وغیرہ، یا کوئی معنوی چیز ہو مثلاً منہج، دستور اور گروہ وغیرہ۔)

اگر اس سے ذاتی طور پر یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کر کے اس حیثیت سے محبت کی جائے کہ اس کی ہر درست اور غلط بات کو قابل تقلید سمجھا جائے ایسا شخص اس طرح ہے گویا کہ اسے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی جارہی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّهِ وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِّلّهِ﴾البقرہ:۱۶۵

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیئے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: کائنات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ بالذات کسی سے محبت کرنا درست نہیں۔کائنات کی ہر ہستی محبوب بالغیر ہوگی صرف اللہ تعالیٰ ہی محبوب بالذات ہے۔فرمان الٰہی :﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ میں الوہیت کا یہی مفہوم ہے۔کسی چیز سے بالذات محبت کرنا شرک ہوگا اس لئے بالذات صرف اللہ تعالیٰ ہی سے محبت ہوسکتی ہے۔ یہ بات الوہیت کے

خصائص میں سے ہے اور اللہ تعالی کے علاوہ کوئی دوسرا اس کا مستحق نہیں۔ اس لئے ہر وہ محبوب جس سے اللہ تعالی کے لئے محبت نہ کی جائے اس کی محبت فاسد اور غیر درست ہو گی۔

جس نے رسول ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کے اوامر ونواہی کو تسلیم کرنا ضروری سمجھا خواہ وہ اوامر ونواہی اللہ تعالی اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں اس نے اس شخص کو اللہ تعالی کا شریک بنا لیا۔ بعض اوقات تو یہ لوگ اس شخص کے بارے میں وہ عقیدہ رکھنا شروع کر دیتے ہیں جو عیسائیوں نے عیسی بن مریم کے بارے میں رکھا تھا۔ یہ ایسا شرک ہے جو ان لوگوں کو اللہ تعالی کے اس فرمان کی وعید میں داخل کر دیتا ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّهِ وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِّلّهِ﴾ (فتاوی ابن تیمیہ: ۱۰/ ۲۶۷، ۶۰۷)

امام ابن القیم شاگرد رشید امام ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں: اللہ تعالی نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی نے بندوں کو اس بات کا مکلّف بھی ٹھہرایا ہے کہ وہ خشوع و خضوع کے ساتھ کمال محبت صرف اللہ تعالی کے لئے روا رکھیں اور اللہ تعالی کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔

اللہ تعالی کی محبت کے لئے صرف اسی کو یکتا سمجھنا ہی اصل عبادت ہے۔ بندے کی ساری محبت صرف اللہ تعالی کے لئے ہونی چاہیئے اور وہ محبت میں اللہ تعالی کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کرے۔ بلکہ اگر کسی سے محبت کرے تو اللہ تعالی کے لئے کرے جس طرح اللہ تعالی کے نبیوں، رسولوں، فرشتوں اور اس کے اولیاء کے ساتھ محبت کی جاتی ہے۔ ان تمام شخصیات سے ہماری محبت اللہ تعالی کی محبت کا ہی تتمہ ہے۔ کیونکہ ہم ان سے جو محبت کرتے ہیں اس کے بارے میں ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم نے انہیں اللہ تعالی کا شریک بنا رکھا ہے اور ہم ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالی سے محبت کی جاتی ہے۔ (مدارج السالکین: ۱/ ۹۹)

محبت، اطاعت اور اتباع میں شرک کے دلائل میں سے اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی ایک زبردست دلیل ہے جو کہ اللہ تعالی نے مجرمین کی حالت زار کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے جب وہ سقر (جہنم کی ایک

وادی) میں ہوں گے تو کہیں گے:

﴿قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ☆ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ☆ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ الشعراء:۹۶-۹۸

آپس میں لڑتے جھگڑتے ہوئے کہیں گے، کہ قسم اللہ کی! یقیناً ہم تو کھلی غلطی پر تھے، جبکہ تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھ بیٹھے تھے۔

رعایا کا اپنے حکمرانوں اور سرداروں کو اللہ رب العالمین کے برابر ٹھہرانا صرف اور صرف محبت، اطاعت اور تسلیم و رضا کے بارے میں تھا۔ یہ برابری خالق ہونے اور امور کائنات میں تصرف کرنے کے بارے میں ہرگز نہیں تھی کیونکہ یہ ہستیاں تو ایک مکھی بلکہ اس سے بھی کمتر چیز پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ لیکن جب انہوں نے ان ہستیوں کو ذاتی طور پر محبت اور اطاعت کے لئے خاص کرلیا جو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ان سے یہ ظالمانہ برابری سرزد ہوگئی۔ یہ وہ شرک اکبر ہے جس نے انہیں بڑے عذاب کا مستحق بنا دیا۔ قیامت کے دن یہ شرک ہی ان کے لئے ملامت اور ندامت کا باعث ہوگا حالانکہ اس دن ندامت کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: یہ بات معلوم ہے کہ ان لوگوں نے ان ہستیوں کو پیدا کرنے، رزق دینے، موت اور زندگی دینے، بادشاہی اور قدرت میں اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں کیا بلکہ انہوں نے ان کو محبت، عبادت و قربانی، خشوع و خضوع اور عاجزی اور انکساری اختیار کرنے میں اللہ تعالیٰ کے برابر کردیا۔ یہ انتہا درجے کا ظلم اور جہالت تھی۔ مٹی رب العالمین کے برابر کیسے ہوسکتی ہے؟ غلام تمام انسانیت کے مالک کے برابر کس طرح ہوسکتے ہیں؟!

اور فرماتے ہیں: ان کی طرف سے یہ برابری افعال اور صفات میں نہیں تھی کہ انہوں نے یہ اعتقاد رکھا ہو کہ یہ ہستیاں افعال و صفات میں اللہ تعالیٰ کے برابر ہیں، بلکہ انہوں نے ان ہستیوں کو محبت، عبادت اور تعظیم میں اللہ تعالیٰ کے برابر درجہ دیا تھا۔

انہوں نے ان ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کی برابری کا جو درجہ دیا تھا ایسا نہیں تھا کہ یہ لوگ ان ہستیوں کو آسمان و

زمین کا خالق تسلیم کرتے تھے یا یہ ہستیاں ان کی اوران کے آباءواجداد کی خالق تھیں، بلکہ انہوں نے ان ہستیوں کومحبت کا وہ درجہ عطا کررکھا تھا جو درحقیقت صرف اللہ تعالی کا حق تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ محبت اورعاجزی وانکساری ہی اصل عبادت ہے۔(بدائع التفسیر،ازابن القیم الجوزی:۳/ ۳۲۸-۳۲۹)

امت کے موجودہ حالات سے آگاہی رکھنے والا انسان اس بات سے مکمل طور پر باخبر ہوگا کہ موجودہ دور میں بہت سی ایسی اشیاء ہیں جن سے ذاتی طور پرمحبت کی جاتی ہےاورانہیں کی بنیاد پرولاءوالبراء کاعقیدہ رکھا جاتا ہے۔اس حوالے سے لوگ دانستہ یا نا دانستہ طور پر بڑی تیزی سے ان کے عبادت گذار بن رہے ہیں۔

محبت کی علامات:

چونکہ ہردعوی کےسچا یا جھوٹا ہونے کے لئے کچھ علامات ہوتی ہیں اس لئے محبت کے دعوی کے لئے بھی چندعلامات ہیں ان علامات کی نفی سے محبت کی نفی ہوتی ہےاوران علامات کے ثبوت سے محبت کا ثبوت ملتاہے۔محبت کی اہم اورنمایاں ترین علامات مندرجہ ذیل ہیں:

اتباع،اطاعت اورفرمانبرداری:

جوشخص نبی کریم ﷺ کا تابعدار ہےاورآپ ﷺ اپنے رب کی طرف سے جو شریعت لے کرآئے ہیں وہ مکمل طور پراس پر چلنے والا ہےاللہ تعالی کے لئے صرف ایسے شخص کی محبت ہی درجہ کمال تک پہنچی ہوئی ہے۔یہ اتباع جسقدرمضبوط ہوگی اس کی محبت بھی اسی قدرمضبوط ہوتی جائے گی۔اسی طرح جسقدر محبت میں قوت پیدا ہوگی اتباع کا جذبہ بھی اسی قدرقوی ہوتا جائے گا۔یہ دونوں چیزیں آپس میں ایک دوسرے کی سچائی کی دلیل ہیں اورآپس میں لازم وملزوم ہیں۔

اگرکوئی شخص اپنے اعمال میں نبی کریم ﷺ کےطریقے کی اتباع نہیں کرتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص باطنی طور پرمطلقاً اللہ تعالی کی محبت کے جذبہ سے عاری ہے۔ایسی بات کی توقع کسی کافراور زندیق سے ہی کی جاسکتی ہے۔جوشخص اپنے ظاہری اعمال میں نبی کریم ﷺ کی اتباع کے بغیر ہی آپ ﷺ کی محبت کا دعویدار ہے یادرکھیئے !ایسا شخص اپنے دعوی میں بالکل جھوٹا ہے۔مندرجہ ذیل

آیت کا ظاہری مفہوم اس کے اس زعم اور دعوی کو باطل قرار دیتا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ آل عمران:۳۱

کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو،خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور اللہ تعالی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

ابن کثیر رقمطراز ہیں: یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کے خلاف فیصلہ دیتی ہے جو اللہ تعالی کی محبت کا دعوی تو کرتا ہے لیکن وہ طریق محمدی ﷺ پر گامزن نہیں ہے۔وہ اپنے اس دعوی میں اس وقت تک جھوٹا ہے جب تک وہ اپنے تمام اقوال وافعال میں شریعت محمدی اور دین نبوی کی اتباع نہیں کر لیتا۔(تفسیر ابن کثیر:۱/۳۶۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ہر وہ شخص جو اللہ تعالی سے محبت کرنے کا دعویدار ہے اور اس نے رسول ﷺ کی اتباع نہیں کی وہ اپنے دعوی میں جھوٹا ہے۔اس کی محبت خالص اللہ تعالی کے لئے نہیں ہے بلکہ اس میں شرک کی ملاوٹ ہے کیونکہ وہ اپنی خواہشات کا پیروکار ہے۔ان لوگوں کا یہ دعوی بالکل یہود ونصاری کے دعوی کی طرح ہے جنہوں نے اللہ تعالی کی محبت کا دعوی کیا لیکن اگر وہ اپنے محبت کے دعوی میں سچے اور مخلص ہوتے تو صرف اسی چیز سے محبت کرتے جو اللہ تعالی کی پسندیدہ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے رسول کی اتباع بھی کرتے۔لیکن جب انہوں نے اللہ تعالی کی محبت کے دعوی باوجود اللہ تعالی کی ناپسندیدہ چیزوں کو محبوب جانا تو ان کی یہ محبت مشرکین کی محبت کی مانند ہی تھی۔(فتاوی ابن تیمیہ:۸/۳۶۰)

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالی کی محبت ہی درحقیقت اس کی عبادت ہے اور اسی میں اس کی بندگی کا راز پوشیدہ ہے تو یہ محبت صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالی کے احکام کو مانا جائے اور اس کے منع کردہ امور سے بچا جائے۔اللہ تعالی کے احکام کی پیروی اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کی صورت میں ہی اس کی بندگی اور محبت کی حقیقت کو پایا جاسکتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالی نے اپنے رسول کی اتباع کو اپنی محبت کے دعوی کی سچائی کے لئے بطور نشانی اور دلیل ذکر کیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾

کہہ دیجئے !اگر تم اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو،خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔

اللہ تعالی نے اپنی محبت کو رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مشروط کیا ہے۔اور رسول کی اطاعت اللہ تعالی کی محبت کے لئے شرط ہے۔شرط کے بغیر مشروط کا وجود بالکل مشکل اور انہونی بات ہے۔شرط کے پورا ہونے سے ہی مشروط کا وجود ثابت ہوگا۔اتباع اور محبت دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں ان میں ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی بھی لازم آتی ہے اور ایک کے ثبوت سے دوسرے کا ثبوت لازم آتا ہے۔ اس لئے یہ بات محال ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اتباع کے بغیر اللہ تعالی کے لئے بندوں کی محبت ثابت ہوجائے یا بندوں کے لئے اللہ تعالی کی محبت ثابت ہوجائے۔(اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت توحید اور ایمان کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔اس محبت کی نفی کسی کافر مشرک سے ہی ہوسکتی ہے،کسی مومن سے تو اس بات کی توقع رکھنا بالکل محال ہے۔)

یہ بات ثابت ہوئی کہ رسول ﷺ کی اتباع ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اس کی پیروی ہے۔ بندگی اس وقت تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچتی جب تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذات بندے کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز نہ ہوجائے۔اسے کسی اور چیز کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ پیار نہ ہو۔ جب کبھی کوئی چیز اسے اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب ہوگی تو یہ ایسا شرک ہوگا جسے اللہ تعالی قطعی طور پر معاف نہیں کریں گے اور اس کے مرتکب کو اس پر جمے رہنے کی صورت میں قطعی ہدایت نہیں دیں گے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّهِ

وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ التوبہ ۲۴

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالی اپنا عذاب لے آئے ۔ اللہ تعالی فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

جس کسی نے ان میں سے کسی کی اطاعت کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر مقدم کیا، یا کسی کے قول کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے قول پر مقدم جانا، یا کسی کی خوشنودی کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی پر مقدم سمجھا، یا کسی سے خوف، امید یا بھروسے کو اللہ تعالی کے خوف، امید، اور بھروسے پر مقدم سمجھا، یا کسی دوسرے کے معاملے کو اللہ تعالی کے معاملے سے مقدم سمجھا ایسا شخص اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے ہر چیز سے زیادہ محبت کرنے والا نہیں ہے۔ اگر وہ زبان سے اس بات کا اقرار کرے تو وہ جھوٹا ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کا اظہار کر رہا ہے جو درحقیقت اس میں موجود نہیں ہے۔ اگر اس نے کسی دوسرے کے حکم کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے مقدم سمجھا تو یہ دوسرا اسے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے زیادہ محبوب ہوگا۔ (مدارج السالکین: ۱/ ۹۹-۱۰۰)

اس بات سے ان گناہ گار حکمرانوں کا جھوٹ عیاں ہوتا ہے جو امت کے سینے اور اس کے وسائل پر پنجے گاڑے ہوئے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان علماء سوء کا جھوٹ بھی عیاں ہوتا ہے جو لوگوں کی نگاہوں میں ان حکمرانوں کو بڑا نیک اور پارسا ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ زبانی طور پر اللہ تعالی اور اس کے رسول کی محبت کا دعوی کرتے ہیں لیکن عملی طور پر اپنی زندگی کے تمام معاملات میں مشرق و مغرب کی سیاست نافذ کرنا چاہتے ہیں اور اپنے معاشروں میں ان کے کفریہ قوانین کو جاری کرنا چاہتے ہیں اور ان کے قوانین کو اللہ تعالی کے قانون پر مقدم سمجھتے ہیں۔

حدیث میں ہے: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس وقت تک کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے خاندان، اس کے مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔ایک دوسری روایت میں ہے: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کی اولاد، اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔(صحیح مسلم)

جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا ہے کہ ایمان کی نفی صرف شرک کی کسی قسم کے ارتکاب کی وجہ سے ہی ہوتی ہے جو کہ غیر اللہ کی عبادت کو متضمن ہے۔

ابوسلیمان الخطابی مذکورہ حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تو اس وقت تک میری محبت کے دعوی میں سچا نہیں ہوسکتا جب تک میری اطاعت میں تیرا نفس فنا نہ ہوجائے، اور تو میری رضا کو اپنی نفسانی خواہشات پر ترجیح نہ دے لے اگرچہ اس میں تجھے اپنی ہلاکت کا خدشہ ہی کیوں نہ ہو۔(شرح صحیح مسلم)

آپ حدیث کے اس مفہوم پر غور کیجئے اور اس حوالے سے امت کے حالات کو بھی دیکھ لیجئے۔پھر دیکھئے کہ لوگوں کے حالات اور اس دین کی حقیقت کے درمیان کس قدر وسیع خلیج حائل ہے۔

ایک وضاحت اور تنبیہ:

یاد رکھیئے! اللہ تعالی اپنے بندے سے تمام قسم کی عبادات کو اس وقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک وہ خالص اس کی رضامندی کے حصول کے لئے نہ کی جائیں۔اگر اس نے عبادت میں کسی دوسرے کو اللہ تعالی کا شریک بنادیا خواہ وہ ایک معمولی جزء میں ہو یا گذشتہ ذکر ہونے والی عبادات کی مختلف اقسام مثلا نذر، خوف، امید، توکل، استغاثہ اور دعا وغیرہ میں سے کسی ایک قسم میں ہو۔اللہ تعالی ایسی مطلق عبادت بالکل قبول نہیں فرماتے جس میں بعض عبادات خالص اللہ تعالی کے لئے ہوں اور بعض عبادات میں اس کے ساتھ اس کی مخلوقات میں سے کسی دوسرے کو شریک بنالیا جائے۔کیونکہ اللہ تعالی شرک سے سب سے زیادہ بے پرواہ ہے۔عبادت یا تو مطلقا صرف اللہ تعالی کے لئے ہوگی یا پھر اس کی مخلوقات میں سے کسی غیر کے لئے ہوگی۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاء رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدا﴾ الکہف:۱۱۰

تو جسے بھی اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہوا سے چاہئیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

(اس آیت کریمہ میں کسی عمل کے درست اور مقبول ہونے کی شرائط ذکر کی گئی ہیں۔اول یہ کہ وہ عمل نبی کریم ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے طریقے کے بغیر کوئی عمل عبادت نہیں بن سکتا۔دوسرا یہ کہ وہ عمل خالص اللہ تعالی کی رضا مندی کے حصول کے لئے کیا جائے اور وہ شرک کے ادنی ترین شائبے سے بھی پاک ہو۔)

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ بیان کرتے ہیں: جو دن رات اللہ تعالی کو پوجنے والا ہو اگر کسی لمحے وہ کسی نبی یا ولی کی قبر پر کھڑا ہو کر ان سے مدد کی دعا مانگ لے تو اس نے دو معبود بنا لئے ہیں۔اور اس نے کلمہ لا الہ إلا اللہ کا انکار کر دیا ہے۔کیونکہ إلہ تو وہی ہوتا ہے جسے پکارا جائے۔جیسا کہ موجودہ دور میں مشرکین زبیر اور عبدالقادر وغیرہ کی قبروں پر ایسا کرتے ہیں۔کوئی شخص اللہ تعالی کے لئے خواہ ایک ہزار قربانی کر دے اس کے بعد وہ کسی نبی، ولی یا کسی دوسری ہستی کے لئے صرف ایک قربانی کر دے تو اس نے دو معبود بنا لئے ہیں۔جبکہ اللہ تعالی کا تو بندے سے یہ مطالبہ ہے کہ:

﴿قُلْ إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (۵۰)

اسی طرح شرک، خواہ وہ عبادت کے کسی ایک جزء میں ہی کیوں نہ ہو وہ بندے کے تمام اعمال کو ضائع کر سکتا ہے۔اس صورت میں بندے کی عبادات کی وہ اقسام بھی اس کے کام نہیں آسکیں گی جو اس نے خالص اللہ تعالی کی رضا کے لئے کی ہوں گی۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ الزمر:۶۵

اگر تو نے شرک کیا تو بلا شبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے

ہو جائے گا۔

اور فرمایا:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُواْ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُواْ يَعْمَلُونَ﴾ الأنعام:۸۸

اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے۔

باقی نیکیاں جو انہوں نے خالص اللہ تعالی کی رضا مندی کے حصول کے لئے کی ہوں گی وہ بھی ان کے کسی کام نہیں آسکیں گی۔

ہم ایک مثال کے ذریعے اس مسئلے کی مزید وضاحت پیش کرتے ہیں: اگر کوئی شخص قربانی، رکوع وسجود، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد وغیرہ اور اس قسم کی دوسری عبادات خالص اللہ تعالی کی رضا مندی کے حصول کے لئے کرتا ہے، لیکن وہ محبت، اتباع، اطاعت، تحاکم، خشیت، رجاء، توکل، دعاء اور استغاثہ وغیرہ میں اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر لیتا ہے۔ ایسے شخص کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئیے کہ ان امور میں سے کسی ایک میں شرک اسے ہمیشہ کے لئے جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اور اس کے وہ تمام اعمال بھی ضائع ہونے کا خدشہ ہے جو اس نے خالص اللہ تعالی کی رضا مندی کے حصول کے لئے کئے ہوں۔ یہ شرک اس سے اللہ تعالی کا بندہ ہونے کی صفت کو سلب کر سکتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿نَّ اللّهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ النساء:۴۸

یقیناً اللہ تعالی اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے

۔

حدیث میں ہے:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو خالصتاً اس کے لئے اور اسی کی رضا مندی کے حصول کے لئے کیا جائے۔ (أبوداود، نسائی، صحیح سنن النسائی:۲۹۴۳)

اور فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میں شرک سے سب سے زیادہ بے پرواہ ہوں، جس نے کوئی عمل میرے لئے کیا اور اس میں کسی دوسرے کو میرے ساتھ شریک بھی کر دیا تو میں اس سے بری ہوتا ہوں۔ وہ عمل اسی کے لئے ہے جسے اس نے شریک ٹھہرایا ہے۔ (ابن ماجہ، صحیح الترغیب: ۳۱)

اور فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پہلے اور پچھلے تمام لوگوں کو جمع کر لے گا جس دن کے ظہور میں کوئی شک نہیں، اس دن ایک منادی کرنے والا منادی کرے گا: جس نے اپنے اعمال میں کسی دوسرے کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا تھا وہ اسی سے اپنا ثواب طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک سے سب سے زیادہ بے پرواہ ہے۔ (ترمذی، صحیح الترغیب: ۳۰)

مشرک اگر چہ بعض طریقوں اور بعض معاملات میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی کیوں نہ کرتا ہو لیکن پھر بھی اس سے مطلق طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی کی نفی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ﴾ یہ آیت مبارکہ بہت اچھے اور خوبصورت فوائد پر مشتمل ہے جن کی طرف امام ابن القیمؒ نے اپنی ایک زبردست کتاب ''بدائع الفوائد'' میں اشارہ کیا ہے۔ وہ اپنے کلام میں ''سورۃ الکافرون'' کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: چوتھا مسئلہ یہ کہ کافروں کے لئے عبادت کی نفی صرف اسم فاعل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں کبھی فعل کے ساتھ اور کبھی فاعل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔

ایسا ایک زبردست حکمت کے تحت کیا گیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے: نبی کریم ﷺ کی طرف سے مشرکین کے معبودوں سے براءت کا اظہار ہر طریقے کے ساتھ اور ہر زمانے میں کیا گیا ہے۔ اس لئے پہلے فعل کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے جو کہ حدث اور جدت پر دلالت کرتا ہے۔ پھر دوسرے مقام پر یہی نفی اسم فاعل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ یعنی یہ میرا وصف اور میرا طریقہ نہیں ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ: غیر اللہ کی عبادت نہ میرا فعل ہے اور نہ ہی میرا وصف ہے۔

جبکہ کفار کے بارے میں فعل کی بجائے صرف ایسا اسم ہی ذکر کیا گیا ہے جو کہ وصف اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔یعنی ایسا لازمی اور ثابت وصف جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والا ہے تم سے اس کی بالکل نفی کی جاتی ہے۔ یہ تمہارا لازمی اور ثابت وصف نہیں ہوسکتا بلکہ یہ صرف اسی کا لازمی وصف ہوگا جو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔ جب تم نے غیر اللہ کی عبادت کی تو تم نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے باہر نکال لیا۔خواہ تم کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے بھی رہو لیکن اس کے باوجود بھی تم اللہ تعالیٰ کے بندے نہیں بن سکتے کیونکہ مشرک کی بھی تو یہی تعریف ہے کہ وہ کبھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور کبھی اس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کرنا شروع کر دیتا ہے۔جیسا کہ اصحاب کہف نے کہا تھا:﴿وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ﴾یعنی تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کے معبودوں سے کنارہ کش ہوئے ہو تم اللہ تعالیٰ سے کنارہ کش نہیں ہوئے۔مشرکین مکہ بھی اپنے معبودوں کے بارے میں یہی کہا کرتے تھے:﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾الزمر:۳

ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک کیا کرتے تھے اس لئے ان کی طرف سے فعل عبادت کی نفی نہیں کی گئی ہے کیونکہ یہ فعل تو ان سے سرزد ہوتا تھا۔ان کی طرف سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے وصف کی نفی کی گئی ہے کیونکہ جو شخص غیر اللہ کو بھی پوجنا شروع کر دے وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر ثابت نہیں رہ سکتا اور نہ ہی اسے اس صفت کے ساتھ متصف کیا جاسکتا ہے۔

اس حیران کن نکتے پر غور کیجئے!اس میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ صرف اسی بندے کو اللہ تعالیٰ کا عبادت گذار ہونے کی صفت سے متصف کیا جاسکتا ہے جو کلیتاً اپنے آپ کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مختص کر لیتا ہے۔ نہ تو وہ کسی غیر کی طرف التفات کرتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی دوسرے کو اس کا شریک ٹھہراتا ہے۔اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرے اور اس کے ساتھ

غیروں کو بھی شریک ٹھہرائے تو وہ نہ تو اللہ تعالی کا بندہ ہوگا اور نہ ہی اس کا عبادت گذار ہونے کی صفت سے متصف ہوسکتا ہے۔(بدائع التفسیر:۳۵۰/۵)

ہر شخص کو اپنے نفس اور دین کے بارے میں ڈرتے رہنا چاہئے کیونکہ یہ بڑا خطرناک اور حساس معاملہ ہے۔ایسے شخص کو بھی اپنے آپ کو عذاب سے محفوظ نہیں سمجھنا چاہیئے جو کہ قربانی اور عبادات وغیرہ میں تو صرف اللہ تعالی کو پوجتا ہے لیکن اپنی زندگی کے باقی معاملات میں اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ شیطان کا بندہ بن جائے۔ایسے شخص کو ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس کا دین محفوظ اور سالم ہے اور وہ مکمل اسلام پر عمل کر رہا ہے،اور وہ اللہ تعالی کے عذاب سے محفوظ رہنے والا ہے اور قیامت کے دن وہ کسی کی شفاعت کا مستحق ہوگا،،، ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔

دین:

آدمی کے لئے ضروری ہے کہ اسے کلمہء دین کے معانی اور مفاہیم سے مکمل آگاہی ہونی چاہیئے تاکہ اسے معلوم ہوسکے کہ وہ کس طریقہ اور دین پر گامزن ہے۔آیا وہ اللہ تعالی کے دین،شریعت اور اس کی اطاعت پر گامزن ہے یا کسی دوسرے کے طریقے،شریعت اور اطاعت پر چل رہا ہے۔

لسان العرب جو کہ عربی لغت کی ایک مشہور کتاب ہے اس میں دین کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:''الدیان ''اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔یہ فیصلہ کرنے والا اور قاضی کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔سلف میں سے کسی سے علیؓ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا:وہ نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے دیان یعنی فیصلہ کرنے والے اور قاضی تھے۔(علیؓ پر اس نام کے اطلاق سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسے حاکم تھے جو اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے۔)

الدیان:

کا ایک معنی زبردست بھی ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ:اس کا معنی حاکم اور قاضی بھی ہے۔یہ عین کی تشدید کے ساتھ فعل کے وزن پر استعمال ہوتا ہے۔''دان الناس '':اس نے لوگوں کو اپنا مطیع بنالیا۔یعنی زبردستی انہیں اپنی اطاعت پر راضی کرلیا۔یہ بھی کہا جاتا ہے:''دنتھم فدانوا ''یعنی میں نے ان پر

زبردستی کی تو وہ مطیع ہوگئے۔ ابوطالب کے واقعہ میں یہ بات مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا تھا: میں قریش سے ایسے کلمے کا طلب گار ہوں جس کی بنیاد پر سارا عرب ان کا مطیع ہوجائے گا۔ یعنی ان کا تابع فرمان اوران کے سامنے جھک جائے گا۔

دین کا ایک مفہوم: جزاء سزاء اور بدلہ بھی ہے۔''دنته بفعله دينا ''کا مطلب یہ بھی ہے کہ میں نے اس کے کام کا صلہ یا بدلہ دیا۔ اور يوم الدين سے مراد بدلے کا دن ہے۔ عربی زبان کی ایک مثال بھی ہے:''كما تدين تدان ''جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ یعنی تم لوگوں کے ساتھ جیسا سلوک کروگے تمہارے اس فعل اور عمل کے مطابق تمہارے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالی ہے:﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ اس کا مفہوم ہے جزاء سزاء اور حساب کتاب کے دن کا مالک۔

دین کا ایک مفہوم: اطاعت بھی ہے۔''دنته و دنت له ''یعنی میں اس کا مطیع ہوگیا۔

دین کا ایک مفہوم: عادت اور حالت بھی ہے۔''مازال ذلك ديني و ديدني ''یعنی ہمیشہ سے میری یہی عادت ہے۔

حدیث میں ہے:''الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والأحمق من أتبع نفسه هواها وتمنى على الله ''ابوعبید کہتے ہیں: دان نفسه سے مراد ہے اپنے نفس کو جھکا دیا اور اللہ تعالی کا مطیع بنادیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: کہ نفس کا محاسبہ کرلیا۔

اس طرح الدين لله کا مطلب اللہ تعالی کی اطاعت اور اس کی بندگی ہوا۔ اور دانه دينا کا مطلب ہے: اس کے لئے خشوع وخضوع اختیار کرنا اور اس کا عبادت گذار ہونا۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالی ہے:﴿مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ﴾ قتادہ کہتے ہیں: اس کا مطلب ہے: بادشاہ کے دستور کے مطابق۔

دین: عقیدہ، بادشاہت، ورع وتقوی، قہر وزبردستی، معصیت، اطاعت وغیرہ کے مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔

خوارج والی حدیث میں ہے:''يمرقون من الدين مروق السهم من الرمية ''یعنی وہ دین میں سے

اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔خطابی کہتے ہیں: اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے دین سے اطاعت اور فرمانبرداری مراد لی ہے۔یعنی ایسا امام جس کی اطاعت فرض ہوگی وہ اس کی اطاعت سے نکل جائیں گے۔واللہ أعلم۔

اورحج والی حدیث میں ہے:''کانت قریش ومن دان بدینھم ''یعنی قریش اوران کے طریقے کی پیروی اورموافقت کرنے والا۔ (لسان العرب:۱۳/۱۶۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: دین مصدر ہے اور مصدر فاعل اور مفعول دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے۔کہا جاتا ہے:دان فلان فلانا یعنی فلاں فلاں کا مطیع اور عبادت گذار رہوا۔جب کوئی کسی کے لئے خشوع وخضوع اختیار کرے تو اس کے لئے بھی دانہ کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے۔بندہ اللہ تعالی کا عبادت گذار ہوتا ہے اور اس کی اطاعت اختیار کرتا ہے۔جب دین کی نسبت بندے کی طرف کی جائے تو یہ اس لئے ہوتا ہے کیونکہ وہ عبادت گذار اور مطیع ہوتا ہے یعنی وہ فاعل ہوتا ہے اور جب یہی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی جائے تو یہ اس لئے ہوتا ہے کیونکہ وہ معبود اور مطاع ہوتا ہے یعنی وہ مفعول ہوتا ہے۔
(فتاوی ابن تیمیہ:۱۵/ ۱۵۸)

خلاصہء کلام یہ کہ: دین کے تمام معانی اور مفاہیم میں سے اہم ترین معنی اور مفہوم: فیصلہ،شریعت سازی ،اطاعت،فرمانبرداری خشوع وخضوع ان تمام امور کوصرف اور صرف اللہ تعالی کے لئے خاص کر دینا۔

اسی بنیاد پر: جوشخص اللہ تعالی کی اطاعت کا راستہ اختیار کرے گا،اس کے حکم وشریعت کے سامنے سر تسلیم خم کرے گا اور اس کے نبی ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے گا وہ اللہ تعالی کے دین اسلام کے مفہوم میں داخل ہے اور وہی درحقیقت اللہ تعالی کا عبادت گذار ہے۔دوسری طرف جوشخص اللہ تعالی کی اطاعت،اس کے حکم اور شریعت سے اعراض کرے،اور اس کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور اسی کے فیصلے کو تسلیم کرے خواہ ایسا وہ اپنی زندگی کے کسی خاص پہلو میں ہی کررہا ہو۔ایسا شخص اس غیر کے دین پر چل رہا ہوگا اور اللہ تعالی کے علاوہ اس غیر کا عبادت گذار رہوگا۔اگرچہ وہ ہزار مرتبہ اپنی زبان سے یہ اقرار کرتا رہے کہ اس کا دین اسلام ہے اور وہ مسلمان ہے۔

درج ذیل میں اس کے کچھ دلائل ذکر کیے جاتے ہیں:

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّه﴾الأنفال:۳۹

اورتم ان سے اس حدتک لڑائی کروکہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے۔اوردین اللہ ہی کا ہوجائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: دین سے مراداطاعت اورفرمانبرداری ہے۔اگرکچھ معاملات میں اللہ تعالی کی فرمانبرداری ہواورکچھ میں غیراللہ کا حکم ماناجائے تواس وقت قتال کرنا واجب ہوجائے گاحتی کہ مکمل فرمانبرداری صرف اورصرف اللہ تعالی کے لئے خاص ہوجائے۔(فتاوی ابن تیمیہ:۲۸/۵۴۴)

دیکھیئے!امام صاحب نے کس خوبصورتی سے اطاعت کو دین کے ساتھ تعبیرکیاہے اوریہ بھی وضاحت کی ہے کہ جوشخص غیراللہ کی اطاعت کرتاہے خواہ زندگی کے کسی ایک خاص شعبے میں ہی کیوں نہ ہووہ اس غیرکے دین پرچل رہاہے وہ اللہ کے دین پرہرگزگامزن نہیں ہے۔وہ شخص جب تک اطاعت کو مکمل طورپراللہ تعالی کے لئے خاص نہیں کرلیتااس کے ساتھ قتال کرناضروری ہوگا۔

ابن جریرطبریؒ اپنی تفسیرمیں﴿وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّه﴾کی تفسیرکےتحت رقمطرازہیں:اس کامفہوم یہ ہے کہ عبادت اوراطاعت ساری کی ساری اللہ کے لئے ہوجائے کسی دوسرے کااس میں کوئی حصہ نہ ہو۔اس کے ساتھ ساتھ فتنہ کی انہوں نے یہ تعریف کی ہے کہ اس سے مرادشرک ہے۔(تفسیرطبری:۶/۲۴۵)

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ﴾النور:۲

زناکارعورت اورمردمیں سے ہرایک کوسوکوڑے لگاؤ۔ان پراللہ کی شریعت کی حدجاری کرتے ہوئےتمہیں ہرگزترس نہ کھاناچاہیئے۔

اورفرمایا:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِي كِتَابِ اللّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَات وَالأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ التوبہ:٣٦

مہینوں کی گنتی اللہ تعالی کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان و زمین کو اس نے پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت وادب کے ہیں۔

اورفرمایا:

﴿كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ﴾ یوسف:٧٦

ہم نے یوسف کے لئے اسی طرح یہ تدبیر کی۔ اس بادشاہ کے قانون کی رو سے یہ اپنے بھائی کو نہ لے سکتا تھا۔

اورفرمایا:

﴿وَكَذَلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلاَدِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُواْ عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ﴾ الأنعام:١٣٧

اوراسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے تا کہ وہ ان کو برباد کریں اور تا کہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ کردیں۔

اورفرمایا:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاء شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ﴾ الشوریٰ:٢١

کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔

اورفرمایا:

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ الکافرون:٦

تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔

اس موضوع پر قرآن کریم کی اور بھی بہت سی آیات ملتی ہیں۔

سید مودودی رقمطراز ہیں: ان سب آیات میں دین سے مراد قانون، ضابطہ، شریعت، طریقہ اور وہ نظام فکر وعمل ہے جس کی پابندی میں انسان زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر وہ اقتدار جس کی سند پر کسی ضابطہ ونظام کی پابندی کی جاتی ہے خدا کا اقتدار ہے تو آدمی دین خدا میں ہے اور اگر وہ کسی بادشاہ کا اقتدار ہے تو آدمی دین بادشاہ میں ہے۔ اگر وہ پنڈتوں اور پروہتوں کا اقتدار ہے تو آدمی انہیں کے دین میں ہے۔ اور اگر وہ خاندان، برادری یا جمہور قوم کا اقتدار ہے تو آدمی ان کے دین میں ہے۔(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، صفحہ: ۱۲۵)

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَن يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَن يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ﴾ غافر: ۲۶

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑو کہ میں موسی (علیہ السلام) کو مار ڈالوں اور اسے چاہئیے کہ اپنے رب کو پکارے، مجھے تو ڈر ہے کہ یہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں کوئی (بہت بڑا) فساد نہ برپا کردے۔

قرآن میں قصہء فرعون وموسی کی جتنی تفصیلات آئی ہیں ان کو نظر میں رکھنے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہاں دین مجرد ''مذہب'' کے معنی میں نہیں آیا ہے بلکہ ریاست اور نظام تمدن کے معنی میں آیا ہے۔ فرعون کا کہنا یہ تھا کہ اگر موسی اپنے مشن میں کامیاب ہوگئے تو اسٹیٹ بدل جائے گا۔ جو نظام زندگی اس وقت فراعنہ کی حاکمیت اور رائج الوقت قوانین ورسوم ورواج کی بنیادوں پر چل رہا ہے وہ جڑ سے اکھڑ جائے گا۔(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، صفحہ: ۱۲۵)

ان عبارات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے ملکوں میں جو قوانین اور ضابطے قائم اور رائج ہیں وہ سبھی دین کے زمرے میں شامل ہیں اگرچہ ان ملکوں کے رہنے والے ان کا نام دین نہ بھی رکھیں لیکن یہ پھر بھی دین ہی کہلائیں گے۔ جو ان قوانین کے تحت آتا ہے، یا ان قوانین کو پورا کرنے کے لئے سرکش حکمرانوں کی تابعداری اختیار کرتا ہے یا ان قوانین پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا

ہے وہ اللہ تعالی کے دین کی بجائے طاغوت کے دین پر چل رہا ہے۔اگر چہ وہ اسلام کا دعوی کرتا ہواور اپنا نام مسلمانوں جیسا رکھے ہوئے ہو۔

ہر وہ منہج ، نظام ،دستور یا قانون جو اسلام کی اساس پر قائم نہیں ہے ، اور اللہ تعالی کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اتباع اس کی بنیادوں میں شامل نہیں ہے یہ باطل طریقہ ہےاور طاغوت کا دین ہے جس سے براءت کا اظہار کرنا اوراس کا انکار کرنا لازم اورضروری ہے۔

جیسا کہ سورۃ الکافرون میں ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ قُلۡ يَا أَيُّهَا الۡكَافِرُونَ ☆لَا أَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُونَ ☆ وَلَا أَنتُمۡ عَابِدُونَ مَا أَعۡبُدُ ☆ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمۡ ☆ وَلَا أَنتُمۡ عَابِدُونَ مَا أَعۡبُدُ ☆ لَكُمۡ دِينُكُمۡ وَلِيَ دِينِ ☆﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو۔نہ تم عبادت کرنے والے ہواس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں ۔اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کررہا ہوں ۔تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے۔

اورفرمایا:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللّهِ الإِسۡلاَمُ ﴾آل عمران:۱۹

بے شک اللہ تعالی کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

اورفرمایا:

﴿وَمَن يَبۡتَغِ غَيۡرَ الإِسۡلاَمِ دِيناً فَلَن يُقۡبَلَ مِنۡهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الۡخَاسِرِينَ﴾آل عمران:۸۵

جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے،اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ دنیا کا ہر شخص کوئی نہ کوئی دین ضرور رکھتا ہےاور کسی نہ کسی معبود کی

ضرور عبادت کرتا ہے۔حتی کہ وہ ملحد لوگ جو اللہ تعالی کے وجود اور آسمانی مذاہب کے منکر ہیں وہ بھی ایک دین کے حامل ہیں اور ان کے پاس بھی ایک دستور حیات موجود ہے۔ان کے بھی کچھ خاص معبود ہیں جو ان کے لئے شریعت وضع کرتے ہیں یہ اس شریعت اور دستور کی اتباع کرتے ہیں اور اللہ تعالی کے علاوہ اس کو پوجتے ہیں۔(اس حوالے سے کسی کیمونسٹ کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے جو کہ تمام ادیان کا منکر ہوتا ہے، حالانکہ کیمونزم، اس کی اساسیات، اس کے معتقدات اور اس کا بنیادی فلسفہ اس کا دین ہوتا ہے اور مارکس، لینن اور اسٹالن جیسے سرکش لوگ اس کے معبود ہوتے جن کو وہ محبت، اطاعت اور خشوع وخضوع اختیار کرنے کے حوالے سے پوجتے ہیں۔یہی حال اس شخص کا ہے جو اپنے آپ کو کسی بے دین جماعت کی طرف منسوب کرتا ہے یا اس کے نظریے کی بنیاد ایسے فلسفے پر ہے جس کی بنیاد اللہ تعالی کے دین کے ساتھ جنگ کرنے پر قائم ہے۔)

ایسا شخص اپنے زعم باطل میں اپنے آپ کو ادیان کی بندشوں سے آزاد کرنا چاہتا ہے لیکن وہ درحقیقت دین حق سے باطل دین اور فطرت انسانی کے مطابق درست معبودیت سے باطل اور جھوٹی معبودیت کی طرف بھاگ کھڑا ہوا ہے۔

3-الہ:

ہر وہ ذات جس کی عبادت کی جاتی ہو خواہ وہ اللہ تعالی کی ذات ہو یا اس کے علاوہ کوئی دوسری ذات ہو وہ اپنے عبادت گذار کے نزدیک الہ ہوگی۔عربی میں الہ کی جمع آلھة آتی ہے جو کہ عام طور پر بتوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔مشرکین نے ان بتوں کا نام آلھةاس لئے رکھا کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ عبادت ان بتوں کا حق ہے۔

الإلاھة، الوھیت اور الوھة سبھی کلمات عبادت کے مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں۔

لفظ اللہ کی اصل إلاہ فعال کے وزن پر بمعنی مفعول ہے۔کیونکہ اللہ تعالی مألوہ یعنی معبود ہے۔

اللہ تعالی کے اسم مبارک کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ أَلِهَ يَألَهُ سے ماخوذ ہے اس کا مفہوم ہے حیران ہو جانا۔کیونکہ اللہ تعالی کی عظمت ورفعت کے سامنے انسانی عقلیں حیرت زدہ رہ گئیں ہیں۔اور اَلِهَ يَألَهُ أَلَهًا یعنی حیران رہ جانا اور اس کی اصل وَلِهَ يولَهُ وَلَهًا ہے۔اور کہا جاتا ہے:وقد ألهت علی

فلاں یعنی اس کے بارے میں میں شدید گبھراہٹ کا شکار ہوں۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ أَلِـهَ يأْلَهُ سے ہی ماخوذ ہے جس کا ایک معنی کسی کی طرف پناہ پکڑنا بھی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات جس کی طرف ہر معاملے میں پناہ پکڑی جاتی ہے۔

اور تألُّہ قربانی اور عبادت کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔(لسان العرب:۱۳/ ۴۶۷)

ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اِلٰہ وہ ذات ہوتی ہے جس کی اطاعت کی جائے اور اس کی ہیبت اور جلال کی وجہ سے، اس سے خوف ورجاء کی وجہ سے، اس پر توکل کرنے، اس سے مانگنے اور اس سے دعاء کرنے کی وجہ سے اس کی نافرمانی نہ کی جاتی ہو۔یہ تمام خصائص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے درست نہیں ہیں۔جس کسی نے ان تمام امور جو کہ الوہیت کے خصائص ہیں میں سے کسی ایک معاملے میں بھی مخلوق میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا تو اس سے اس کی توحید خالص یعنی کلمہء لا إلـه إلا الـلـه میں قدغن واقع ہو جائے گی۔وہ اس معاملے میں جس قدر گہرائی میں جائے گا گویا کہ وہ مخلوق کو معبود تسلیم کرنے میں آگے ہی بڑھتا جا رہا ہے۔(قرۃ عیون الموحدین، صفحہ:۲۵)

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ہر وہ معبود جس کی پوجا کی جا رہی ہو خواہ اسے عبادت کی جزئیات میں سے کسی قلیل جزء کا حصہ ہی کیوں نہ دیا جا رہا ہو وہ اپنے پوجنے والے کے لئے الٰہ کا درجہ ہی رکھتا ہے۔اس لئے الوہیت کے خصائص کسی دوسرے کو دے کر اس کی عبادت کرنے والے کو یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اس نے اس غیر کو الوہیت کے درجہ پر فائز کر دیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا اس کے علاوہ اپنا معبود بنا لیا ہے۔

قبل اس کے کہ ہم ان جھوٹے معبودوں کا سر بازار بھانڈا پھوڑیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ان کے دین کے بارے میں فتنے میں ڈال رکھا ہے، اور اپنے آپ کو ملکوں اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر مسلط کر رکھا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ انہیں کی عبادت کی جائے اور ان کی ہی بات مانی جائے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے وہ بعض خصائص ذکر کر دیں جن میں کسی دوسرے کو شریک کرنا کسی کے لئے درست نہیں ہے۔تا کہ اس کے بعد ہمیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ ہمارے دور میں کتنے

ایسے جھوٹے معبود ہیں جو اپنے آپ کے لئے ان الوہی خصائص کے دعویدار ہیں۔ پھر وہ لوگوں کو کس طرح اس بات پر مائل کرتے ہیں کہ وہ ان کے بارے میں ان خصائص کا اعتراف کریں، اور یہ کہ یہ خصائص اللہ تعالی کے علاوہ ان کا حق ہیں۔

اللہ تعالی کی الوہیت کے مندرجہ ذیل خصائص ہیں:

اولا: الوہیت کے خصائص میں سے یہ ہے کہ: حکم دینے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی کو ہے، اسی کے پاس پیدا کرنے کی قدرت ہے اور حکم دینے کا اختیار ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِيْن﴾ الأنعام: ۵۷

حکم کسی کا نہیں بجز اللہ تعالی کے، اللہ تعالی واقعی بات کو بتلا دیتا ہے اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے۔

اور فرمایا:

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ یوسف: ۴۰

فرمانروائی صرف اللہ تعالی ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

اور فرمایا:

﴿أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِيْن﴾ الأنعام: ۶۲

خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا اور وہ بہت جلد حساب لے گا۔

اور فرمایا:

﴿وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ الکہف: ۲۶

اللہ تعالی اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مخلوق میں سے جو اپنے آپ کے لئے اس خاصیت کا دعوی کرتا ہے کہ حکم دینے کا

اختیار اس کے پاس بھی موجود ہے اور موجودہ دور میں ایسا کرنے والے بہت زیادہ لوگ ہیں حالانکہ یہ خاص اللہ تعالی کا حق ہے، ایسے شخص نے اپنے بارے میں الوہیت کا دعوی کر دیا۔اور مخلوق میں سے جو اس شخص کے لئے اس بات کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس نے اس کے لئے الوہیت کو ثابت کر دیا اور اسے اللہ تعالی کے علاوہ اپنا الہ بنالیا۔

ثانیا: شریعت سازی کی خاصیت،حلال وحرام قرار دینا،کسی چیز کو مستحسن قرار دینا اور کسی کی قباحت بیان کرنا یہ سب الوہیت کے بڑے بڑے خصائص میں سے ہیں جن میں اللہ تعالی دوسری تمام مخلوقات میں سے منفرد ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مخلوق میں سے جو اپنے آپ کے لئے اس خاصیت کا دعوی کرتا ہے کہ شریعت سازی اور حلال حرام کرنے کا اختیار اس کے پاس بھی موجود ہے اور موجودہ دور میں ایسا کرنے والے بہت زیادہ لوگ ہیں حالانکہ یہ خاص اللہ تعالی کا حق ہے، ایسے شخص نے اپنے بارے میں الوہیت کا دعوی کر دیا۔اور مخلوق میں سے جو اس شخص کے لئے اس بات کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس نے اس کے لئے الوہیت کو ثابت کر دیا اور اسے اللہ تعالی کے علاوہ اپنا الہ بنالیا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلاَّ لِيَعْبُدُوا إِلَـهاً وَاحِداً لاَّ إِلَـهَ إِلاَّ هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾التوبہ:۳۱

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر پہلے بھی گذر چکی ہے۔ہم نے تفصیل کے ساتھ اہل علم اور ائمہ تفسیر کے اقوال ذکر کئے ہیں کہ اس ربوبیت اور الوہیت سے کیا مراد ہے جس کا یہودی علماء اور عیسائی راہبوں نے اپنے بارے میں دعوی کیا تھا۔انہوں نے حلال وحرام کرنے کی خاصیت کا جو دعوی کیا تھا وہ اللہ تعالی کی طرف

سے بغیر کسی دلیل کے تھا، اوران کے متبعین نے ان کی صرف اسی صورت میں عبادت کی تھی کہ انہوں نے ان علماء اور راہبوں کے لئے اس حق کو ثابت کیا تھا اوران کے اس دعویٰ پر ان کی متابعت کی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ﴾ الشوریٰ:۲۱

کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنھوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔

اور فرمایا:

﴿قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا أَنزَلَ اللّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَاماً وَحَلاَلاً قُلْ آللّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللّهِ تَفْتَرُونَ﴾ یونس:۵۹

آپ کہیئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ نے تمہارے لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔ آپ پوچھئے کہ کیا تم کو اللہ نے حکم دیا تھا یا اللہ پر افتراء ہی کرتے ہو۔

اور فرمایا:

﴿وَلاَ تَقُولُواْ لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَـذَا حَلاَلٌ وَهَـذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُواْ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ لاَ يُفْلِحُونَ﴾ النحل:۱۱۶

کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو، سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ بنی تمیم کے ایک اعرابی نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے عرض کی: میری مدح بڑی خوبصورت ہے اور میری مذمت بڑی قبیح ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: اس بات کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۸/۱۶۴)

یعنی یہ تیری خصوصیت نہیں ہے اور نہ ہی یہ تمام بنی نوع انسان کی خصوصیت ہے اگر چہ وہ سب ایک میدان میں ہی کیوں نہ اکٹھے ہو جائیں۔ بلکہ یہ صرف اور صرف اللہ تعالی جو کہ اکیلا ہے اسی کی خصوصیت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بندوں کی طرف سے جس چیز پر خوبصورتی اور حسن کا حکم لگایا جائے وہ چیز اللہ تعالی کے ہاں بدصورت اور قبیح ہو اور جس چیز پر بندوں کی طرف سے بدصورتی کا حکم لگایا جائے وہ اللہ تعالی کے ہاں خوبصورت اور مستحسن ہو۔ کیونکہ چیزوں پر حسن وقباحت کا حکم لگانے کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی کے پاس ہے اور اس کی مخلوق میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔

ثالثًا: اسی طرح الوہیت کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے اس کے فیصلے کو نہ تو کوئی پیچھے کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے قول، فہم اور اعتراض کے ذریعے اس سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ اللہ تعالی کا کام حکم دینا ہے، ہمارے رسول ﷺ کی ذمہ داری ظاہر پہنچا دینا ہے اور ہماری ذمہ داری اس حکم کو رضامندی کے ساتھ مان لینا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾ المائدہ:۱

یقیناً اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ الرعد:۴۱

اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے احکام پیچھے ڈالنے والا نہیں، وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ الأحزاب:۳۶

اور (دیکھو) کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

اور فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ﴾ الحجرات:۱

اے ایمان والے لوگو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ النور:۵۱

ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان میں فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔ یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مخلوق میں سے جو کوئی اپنے بارے میں اس خصوصیت کا دعوی کرے اور کہے: میں جو چاہوں فیصلہ کر سکتا ہوں میرے فیصلے کو کوئی پیچھے نہیں کر سکتا۔ اور میں اس بات سے بالاتر ہوں کہ کوئی اپنے قول، فہم یا اعتراض کے ذریعے میرے فیصلے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔ ایسے شخص نے الوہیت کا دعوی کر دیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالی کا شریک بنا دیا۔ اس کی مثال بالکل فرعون جیسی ہے جب اس نے کہا تھا:

﴿مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴾ غافر:۲۹

میں تو تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو خود دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی کی راہ ہی بتلا رہا ہوں۔

اسی طرح جو کوئی اس شخص کے لئے اس خصوصیت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے بلاشبہ اس نے اس کے لئے الوہیت کو ثابت کر دیا۔ اور اسے اللہ تعالی کے علاوہ الہ اور معبود بنا لیا۔

رابعا: الوہیت کے خصائص جن میں اللہ تعالی منفرد ہیں ان میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی جو چاہے کر گذرے اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا جبکہ اس کے علاوہ ہر کسی سے پوچھا جائے گا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾ الأنبیاء:۲۳

وہ اپنے کاموں کے لئے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے آگے) جواب دہ ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مخلوق میں سے جو کوئی اپنے بارے میں اس خصوصیت کا دعوی کرتا ہے اور وہ کہتا ہے: کہ میں جو چاہوں کروں مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں یا یہ کہے کہ میں سوال کئے جانے سے بالاتر ہوں، اس شخص نے اپنے آپ کے لئے الوہیت کا دعوی کر دیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالی کا شریک اور اس کا ہم مثل بنا دیا۔ جبکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ الشوری:۱۱

اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اسی طرح جو کوئی اس شخص کے لئے اس خصوصیت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اس کی الوہیت اور اللہ تعالی کے علاوہ اس کے معبود ہونے پر رضا مند ہے۔

خامسا: اللہ تعالی کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس سے ذاتی طور پر محبت کی جا سکتی ہے اور اس کے علاوہ ہر کسی سے صرف اسی کے لئے محبت کی جائے گی۔ اس خاصیت کے بارے میں دلائل کا تذکرہ اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ ہو چکا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ مخلوق میں جو اپنی ذات کے لئے اس خاصیت کا دعوی کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ مجھے یہ حق حاصل ہے کہ مجھ سے ذاتی طور پر محبت کی جائے، اور میری وجہ سے دوستی کی جائے اور میری وجہ سے ہی کسی کے ساتھ دشمنی رکھی جائے۔ ایسے شخص نے الوہیت کا دعوی کر دیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالی کا ہم مثل اور اس کا شریک قرار دے دیا۔ مخلوق میں جو کوئی اس کے لئے اس خاصیت کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس نے اسے الہ بنا دیا، اور وہ اسے اللہ تعالی کے سوا اپنا معبود بنانے پر راضی بھی ہے۔

سادسا: اسی طرح اللہ تعالی کے خصائص میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ ایسی ذات ہے کہ اس کی ذاتی

طور پر اطاعت کی جاتی ہے جبکہ اس کے علاوہ ہر کسی کی اطاعت صرف اسی کی وجہ سے اور اس کے حکم سے کی جاتی ہے۔اس کے حکم کے تحت دوسروں کی اطاعت کا بھی ایک اصول ہے وہ یہ کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق میں سے کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

اس بارے میں پہلے تفصیل کے ساتھ دلائل گذر چکے ہیں کہ جو اپنی ذات کے لئے اطاعت کا دعویدار ہے وہ ایک ایسی خاصیت کا دعویدار ہے جو کہ خالصتاً اللہ تعالی کی خاصیت ہے۔اور مخلوق میں سے جو کوئی اس کے لئے اس خاصیت کا اعتراف کرے گا وہ گویا کہ اس کے لئے الوہیت اور اللہ تعالی کا شریک ہونے اعتراف کر رہا ہے۔

سابعا:اللہ تعالی کے خائص میں سے یہ بھی ہے کہ وہی نفع اور نقصان دینے والا ہے۔صرف اسی کے ہاتھ میں نفع اور نقصان کا اختیار ہے،وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذاً مِّنَ الظَّالِمِينَ☆ وَإِن يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ یونس:۱۰۶-۱۰۷

اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا جو تجھ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ کوئی ضرر پہنچا سکے۔پھر اگر ایسا کیا تو تم اس حالت میں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

اور فرمایا:

﴿قُلْ أَنَدْعُو مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا﴾ الأنعام:۷۱

آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ تعالی کے سوا ایسی چیز کو پکاریں کہ نہ وہ ہم کو نفع پہنچائے اور نہ ہم کو نقصان پہنچائے۔

اور فرمایا:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ

اللّٰهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللّٰهَ بِمَا لاَ يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلاَ فِي الأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ یونس:۱۸

اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالی کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں، وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے۔

اور فرمایا:

﴿قُلْ أَفَاتَّخَذْتُم مِّن دُونِهِ أَوْلِيَاء لاَ يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ نَفْعاً وَلاَ ضَرّاً﴾ الرعد:۱۶

کہہ دیجئے! کیا تم پھر بھی اس کے سوا اوروں کو حمایتی بنا رہے ہو جو خود اپنی جان کے بھی بھلے برے کا اختیار نہیں رکھتے۔

اور فرمایا:

﴿قُل لاَّ أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعاً وَلاَ ضَرّاً إِلاَّ مَا شَاء اللّٰهُ﴾ الأعراف:۱۸۸

آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے تھا کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا:

اے جوان! میں تجھے چند کلمات نہ سکھا دوں کہ جن کے ذریعے اللہ تعالی تجھے فائدہ پہنچائیں گے؟ تو اللہ تعالی (کے اوامر ونواہی) کا خیال رکھ اللہ تعالی تیرا خیال رکھیں گے۔ تو اللہ تعالی (کے اوامر ونواہی) کا خیال رکھ، تو اللہ تعالی کو اپنے سامنے پائے گا۔ اور جب بھی تو سوال کرے تو صرف اللہ تعالی سے ہی کیا کر۔ جان لے! اگر ساری مخلوق مل کر بھی تجھے کوئی نفع نقصان

پہنچانا چاہے لیکن اللہ تعالی ایسا نہ چاہتا ہو تو وہ سب مل کر بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ جان لے! اللہ تعالی کی مدد صبر کے ساتھ ملتی ہے، اور مصیبتوں کے ساتھ ہی فراخی اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے ۔(السنۃ از ابن أبی عاصم، شیخ البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔)

اس طرح جو کوئی مخلوق میں سے کسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے خواہ وہ کوئی نبی ہو، کوئی ولی نیک صالح ہو یا کوئی دوسرا ہو، وہ اس سے سوال کرتا ہے، مدد طلب کرتا ہے، اس پر توکل کرتا ہے یا اس سے نفع حاصل کرنے اور نقصان کو ٹالنے کی امید رکھتا ہے۔ ایسا کرنے والا صریح کافر اور مشرک ہے۔ کیونکہ اس کی طرف سے غیر اللہ کی بندگی ثابت ہو چکی ہے۔

اس مشرک سے اگر آپ یہ پوچھیں کہ آخر تیرے غیر اللہ سے مانگنے اور اس کی بادت کرنے کا سبب کیا ہے تو اس کا وہی جواب ہوگا جو اس سے قبل عرب مشرکین نبی کریم ﷺ کو دیا کرتے تھے:

﴿مَا نَعۡبُدُهُمۡ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلۡفَى﴾ الزمر:٣

ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں۔

اور

﴿وَيَقُولُونَ هَـؤُلاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّهِ﴾ یونس:١٨

اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: جو کوئی فرشتوں اور نبیوں کو وسیلہ بناتا اور انہیں پکارتا ہے، ان پر توکل کرتا ہے اور ان سے نفع دینے اور نقصان کو ٹالنے کا سوال کرتا ہے۔ مثلاً وہ ان سے گناہوں کی معافی، دلوں کی ہدایت، مصیبتوں کو ٹالنا اور فاقوں کو دور کرنے کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ ایسے شخص کے کافر ہونے کے بارے میں مسلمانوں کا اجماع ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلاَ يَأۡمُرَكُمۡ أَن تَتَّخِذُواۡ الۡمَلاَئِكَةَ وَالنِّبِيِّيۡنَ أَرۡبَاباً أَيَأۡمُرُكُم بِالۡكُفۡرِ بَعۡدَ إِذۡ أَنتُم

مُّسۡلِمُونَ ﴾آل عمران:۸۰(فتاوی ابن تیمیہ:۱/۱۲۴)

اور یہ نہیں (ہوسکتا) کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے، کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد بھی تمہیں کفر کا حکم دے گا۔

اللہ تعالی نے اس بات کو واضح کر دیا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بنانا کفر ہے۔

خلاصہء کلام:

اللہ تعالی کے کچھ ایسے خصائص اور صفات ہیں جن میں شراکت مخلوق میں سے کسی کے لئے جائز اور درست نہیں۔

﴿لَيۡسَ كَمِثۡلِهِ شَيۡءٌ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ﴾الشوری:۱۱

اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالی ہی وہ الہ اور معبود برحق ہے جس کی طرف تمام قسم کی عبادات کو لوٹانا فرض اور ضروری ہے۔

﴿قُلۡ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحۡيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ☆ لَا شَرِيۡكَ لَهُ﴾

الأنعام:۱۶۲

آپ فرما دیجئے! کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں۔

اس طرح مخلوقات میں جو کوئی اپنے لئے ایسے خصائص اور صفات کا دعویدار ہے جو کہ خالصتا اللہ تعالی کی صفات اور خصوصیات ہیں، وہ خواہ کسی بھی مقام اور مرتبے کا حامل کیوں نہ ہو اس نے الوہیت کا دعوی کر دیا اور اپنے آپ کو اللہ تعالی کے خصائص میں اس کا شریک بنا دیا۔

اسی طرح جو کوئی شخص اس جھوٹے الوہیت کے دعویدار کی باتوں کو ثابت کرنا چاہتا ہے، اور اس کی متابعت کرتا ہے وہ اللہ تعالی کے علاوہ اس کے الہ اور معبود ہونے پر راضی ہو چکا ہے

ان تمام باتوں کو جان لینے کے بعد آپ کے لئے طاغوت کے معنی کو پہچاننا آسان ہو جائے گا جو کہ دراصل ہمارے اس رسالے کا موضوع ہے۔اس کے ساتھ آپ یہ بات بھی آسانی سے جان سکیں گے

کہ طاغوت کی انواع اور اقسام کون کون سی ہیں۔ اور طاغوت کے حوالے سے آپ پر کیا چیز فرض ہے۔ اس لئے اب ہم اس طرف آتے ہیں۔

4- طاغوت:

لغوی تحقیق: طغی یطغی طغیا ویطغو طغیانا : مناسب حد سے بڑھنا، کفر میں غلو اختیار کرنا، ہر وہ شخص جو نافرمانی میں اپنی حد سے تجاوز کر جائے اسے طاغ یعنی سرکش کہتے ہیں۔

طغی الماء والبحر : پانی کا جوش مار کر حد سے باہر ہو جانا، سمندر کا موج زن ہونا۔ ہر وہ چیز جو اپنی مناسب حد سے بڑھ جائے اسے سرکش کہتے ہیں جس طرح قوم نوح پر پانی نے سرکشی دکھائی تھی، اور قوم ثمود پر چیخ نے سرکشی دکھائی تھی۔

طاغوت: واحد اور جمع، مذکر اور مونث سبھی صیغوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا وزن فعلوت ہے۔ یہ اصل میں طغیوت تھا، یاء کو غین پر مقدم کر دیا گیا تو طیغوت ہو گیا۔ یاء کے ماقبل فتحہ ہونے کی وجہ سے اسے الف سے بدل دیا گیا تو طاغوت ہو گیا۔

طاغوت کی جمع طواغیت آتی ہے۔ حدیث میں ہے: ''لا تحلفوا بآبائکم ولا باالطواغی ''تم نہ اپنے آباء واجداد کی قسمیں اٹھاؤ اور نہ ہی طاغوتوں کی قسمیں کی اٹھاؤ۔ ایک دوسری حدیث میں ''ولا باالطواغیت '' کے الفاظ ہیں۔ ''طواغی '' طاغیۃ کی جمع ہے۔ طاغیۃ ان بتوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے جنہیں مشرکین پوجتے تھے۔ اور اسی سے یہ عبارت ہے: ''ھذہ طاغیة دوس وخثعم ''یعنی یہ دوس اور خثعم کا بت ہے۔ یہ کہنا بھی جائز ہے کہ طواغی سے نبی کریم ﷺ کی مراد وہ لوگ تھے جو کفر میں سرکشی اختیار کر چکے تھے یعنی تمام حدوں کو عبور کر چکے تھے اور یہ کفر کے بڑے بڑے سردار تھے۔ (لسان العرب: ۱۵/ ۷)

طاغوت کے بارے میں اہل علم کے اقوال:

1- ابن جریر الطبریؒ: طاغوت کے بارے میں میرے نزدیک درست قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالی کے خلاف سرکشی کرے اور اسے اللہ تعالی کے علاوہ پوجا جا رہا ہو۔ اس کی پوجا یا تو

اس کی زبردستی اور قہر کی وجہ سے کی جاتی ہو جو کہ اسے پوجنے والوں کے دلوں پر چھائی ہوتی ہے یا پوجنے والوں کی طرف سے اطاعت کے جذبہ کے تحت کی جارہی ہو۔ یہ معبود خواہ کوئی انسان ہو، شیطان ہو، بت ہو یا دنیا کی کوئی بھی چیز ہو

میرے خیال میں "طاغوت" کی اصل الطغووت ہے۔ یہ طغا فلان یطغو سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی اپنی مناسب حد سے آگے بڑھ جائے۔ (تفسیر الطبری:۳/۲۱)

2- شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ: طاغوت طغیان سے فعلوت کے وزن پر ہے۔ اور طغیان حد سے تجاوز کرنے، ظلم اور سرکشی کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالی کے علاوہ جس کی عبادت کی جارہی ہو اور وہ اسے ناپسند نہ سمجھتا ہو (اس قید اور استثناء کی وجہ سے وہ انبیاء اور صالحین طاغوت کی اصطلاح سے خارج ہوں گے جنہیں اللہ تعالی کے ساتھ یا اس کے علاوہ پوجا جاتا ہے کیونکہ وہ اس بات سے براءت کا اظہار کرنے والے تھے اور اسے ناپسند سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کے لئے طاغوت کی اصطلاح کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ البتہ ان کی عبادت اور انہیں پوجنے والوں کا انکار کرنا لازم اور ضروری ہے۔)

وہ طاغوت ہوگا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ایک صحیح حدیث میں بتوں کے لئے بھی لفظ طواغیت استعمال فرمایا تھا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: طاغوت ہی طاغوت کے پجاریوں کی اتباع کرتے ہیں۔

اللہ تعالی کی نافرمانی میں جس کی بات مانی جارہی ہو، اور دین حق اور ہدایت کے راستے کی اتباع کے علاوہ جس کی اطاعت کی جارہی ہو، اس کی ذات کو جو قبول عام حاصل ہے وہ خواہ کتاب اللہ کی مخالفت میں ہو یا اس کی کوئی ایسی بات مانی جارہی ہو جو کہ اللہ تعالی کے حکم کی مخالفت میں ہوتی ہے ایسا شخص طاغوت کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی لئے اس شخص کو بھی طاغوت کہا جاتا ہے جس کے پاس کوئی فیصلہ کروانے کے لئے لایا جائے اور وہ کتاب اللہ کے بغیر ہی فیصلہ کردے۔ اسی طرح فرعون اور عاد کو بھی طاغوت کہا گیا تھا۔ (فتاوی ابن تیمیہ:۲۸/۲۰۰)

3- امام ابن القیم الجوزیؒ: معبود، متبوع یا مطاع کے حوالے سے بندہ اپنی مناسب حد سے تجاوز کر کے جس ذات کی طرف رجوع کرتا ہے اسے طاغوت کہا جاتا ہے۔ ہر قوم کا طاغوت وہ ہے جس کی طرف وہ

اللہ اوراس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر فیصلہ کروانے کے لئے رجوع کریں، اللہ تعالی کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرنا شروع کردیں، اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ بصیرت کے بغیر اس کی اطاعت کرنا شروع کردیں، یا پھر ان امور میں اس کی اطاعت کرنا شروع کردیں جن کے بارے میں انہیں معلوم نہیں کہ یہ درحقیقت اللہ تعالی کی اطاعت ہے۔ یہ عالمی طواغیت جب آپ ان کے حالات پر غور کریں گے اور یہ بھی دیکھیں گے کہ لوگ ان کو کیا مقام اور مرتبہ دے رہے ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اکثر لوگ اللہ تعالی کی عبادت کو چھوڑ کر طاغوت کے عبادت گذار بن چکے ہیں۔اور انہوں نے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے فیصلہ کروانے کے بجائے طاغوت سے فیصلہ کروانا شروع کردیا ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اللہ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اتباع کو چھوڑ کر ئ ئ طاغوت کی اطاعت اور متابعت اختیار کرلی ہے۔(أعلام الموقعین :۱/۵۰)

آج سے تقریبا سات سو سال پہلے امام ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ کے زمانے میں لوگوں کی اس کیفیت پر امام صاحب کا یہ تبصرہ ہے۔ذرا غور کیجئے! اگر ابن القیمؒ ہمارے زمانے کے لوگوں کے حالات کو دیکھ لیں تو اس پر ان کے تاثرات کیا ہوں گے؟

4- القرطبیؒ: کاہن، شیطان اور گمراہی کے راستے کے ہر سردار کو طاغوت کہا جاتا ہے۔(تفسیر قرطبی: ۲۸۲/۳)

5- النوویؒ: لیث، أبوعبیدہ، کسائی اور جمہور اہل لغت کا قول یہ ہے کہ: ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جاتی ہو طاغوت کے زمرے میں آتی ہے۔(شرح صحیح مسلم :۳/ ۱۸)

6- محمد بن عبدالوہابؒ: طاغوت ایک عام لفظ ہے، ہر وہ چیز یا ذات جس کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جاتی ہو اور وہ اس عبادت پر خوش بھی ہو، خواہ وہ معبود ہو یا متبوع اور مطاع، یعنی اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ کر اس کی اطاعت کی جاتی ہو وہ طاغوت کے زمرے میں آتا ہے۔(مجموعہ توحید، صفحہ: ۹)

7- شنقیطیؒ: یہ ثابت شدہ بات ہے کہ اللہ تعالی کے علاوہ جس کی بھی عبادت کی جاتی ہو وہ طاغوت ہے۔

اوراس میں سب سے بڑا حصہ شیطان کے پاس ہے کیونکہ اس کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ﴾ یس:٦٠ (أضواء البیان:١/ ٢٢٨)

اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول وقرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔

8- عبدالرحمٰنؒ، بابطین: طاغوت ہر اس چیز کو شامل ہے جس کو اللہ تعالی کے علاوہ پوجا جارہا ہو۔ اور گمراہی کا ہر سردار جو باطل کی طرف دعوت دیتا ہے اور اسے خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ اس طرح وہ بھی طاغوت کے زمرے میں آتا ہے جسے لوگ جاہلیت کے مطابق اور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مخالف فیصلے کرنے کے لئے اپنے درمیان متعین کرلیں۔ اسی طرح کاہن، ساحر، بتوں کے پجاری اور قبروں کے مجاور جو لوگوں کو قبروں والوں کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور جھوٹی حکایات کے ذریعے جاہل اور ان پڑھ عوام کو اپنے دام تزویر میں پھنساتے ہیں یہ سب بھی طاغوت کے زمرے میں شامل ہیں۔ شیطان ان تمام اقسام کی جڑ ہے اور ان میں سب سے بڑی قسم ہے اس لئے وہ طاغوت اکبر ہے۔ واللہ أعلم (الدررالسنیۃ:٢/١٠٣)

9- سید مودودیؒ: طاغوت سے مراد ہر وہ فرد یا گروہ یا ادارہ ہے جو اللہ تعالی کے خلاف بغاوت اور سرکشی کا اظہار کرے اور بندگی کی حدود سے تجاوز کر کے اپنے آپ کے لئے الوہیت اور ربوبیت کا دعویدار ہو۔

قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد ہر وہ مملکت، سلطنت، امامت اور قیادت ہے جو اللہ تعالی کے خلاف بغاوت اور سرکشی کا اظہار کرے۔ وہ اللہ تعالی کی زمین میں اپنا حکم نافذ کرے اور اللہ تعالی کے بندوں کو زبردستی، لالچ یا فاسد تعلیم وتربیت کے ذریعے اپنی اطاعت اور فرمانبرداری پر ابھارے۔

اگر کوئی شخص اس قسم کی سلطنت اور امامت وقیادت کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے اور اس کی اطاعت اور بندگی اختیار کرتا ہے تو وہ بلاشبہ طاغوت کا بندہ بن چکا ہے۔ (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، صفحہ:٧٩، ١٠١)

10- سید قطبؒ: طاغوت طغیان سے ہے۔ یہ ہر اس چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے جو عقل سلیم، حق بات اور بندوں کے لئے اللہ تعالی کے متعین کردہ راستے سے تجاوز کرنے کی کوشش کرے۔ اس کا عقیدہ اللہ تعالی کے بارے میں درست نہیں ہے اور نہ ہی وہ اللہ تعالی کی متعین کردہ سنت سے راہنمائی لیتا ہے۔

اسی طرح ہروہ منہج ،تصور، راستہ یا طریقہ جواللہ تعالی کی طرف سے متعین کردہ نہیں ہے وہ بھی طاغوت میں شامل ہے۔

ہروہ بادشاہت جواللہ تعالی کی بادشاہت سے اخذ کردہ نہ ہواور ہروہ حکم جواللہ تعالی کی شریعت پر قائم نہیں ہےاوراسی طرح ہروہ سرکشی جوحق سے تجاوز کرجائے وہ طاغوت کے زمرے میں آتی ہے۔ ہروہ سرکشی جواللہ تعالی کی سلطنت وحاکمیت اورالوہیت کے خلاف ہووہ سب سے زیادہ شنیع اور بری زیادتی اورسرکشی ہے ۔ یہ زیادتی اورسرکشی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اسے لفظی اورمعنوی اعتبار سے طاغوت میں شامل کیا جائے ۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ اہل کتاب نے اپنے علماءاورراہبوں کے سامنے سرنہیں جھکایا تھااورنہ ہی ان کی عبادت کی تھی بلکہ انہوں نے ان کی وضع کردہ شریعت کی اتباع کی تھی ۔صرف اسی بناپراللہ تعالی نے انہیں اپنے علماءاورراہبوں کے بندے قراردیااوران کا نام مشرکین رکھا۔ارشادباری تعالی ہے:

﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ﴾ التوبہ:۳۱

ان لوگوں نے اللہ کوچھوڑ کراپنے عالموں اوردرویشوں کورب بنایا ہے۔

انہوں نے طاغوت یعنی سرکش اورحق سے تجاوز کرنے والی مقتدرطاقتوں کی بندگی اختیارکی ۔انہوں نے ان کی بندگی بمعنی رکوع وسجودنہیں کی تھی بلکہ انہوں نے اطاعت اورفرمانبرداری کے معانی میں ان کی بندگی اختیارکی تھی ۔ یہ بھی بندگی کے زمرے میں آتی ہے اورآدمی کواللہ تعالی کی بندگی اوراس کے دین سے خارج کردیتی ہے۔(فی ظلال القرآن:۱/۲۹۲،طریق الدعوۃ فی ظلال القرآن:۱/۳۰)

11- محمدحامدالفقی: سلف کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ: ہروہ چیز طاغوت کے زمرے میں شامل ہے جو بندے کواللہ تعالی کی عبادت ، دین میں اخلاص اوراللہ تعالی اوراس کے رسول کی اطاعت سے روک دے یااس کارخ اس طرف سے دوسری طرف پھیردے۔خواہ اس میں کسی جن شیطان یاکسی انسان شیطان یاکسی شجروحجروغیرہ کا کردارہو۔اسی طرح وہ قوانین جنہیں قتل ، چوری ڈکیتی یازناوغیرہ کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے ،اللہ تعالی کی وضع کردہ حدود کے نفاذ کوروکنے،سود،زنااورشراب وغیرہ

کی حرمت کولغو کرنے کے لئے انسان خود وضع کرتا ہےاور وہ قوانین اسلام اوراس کے قوانین سے میل نہیں کھاتے بلکہ اس کے متضاد ہیں بلاشک وشبہ یہ سبھی قوانین بھی طاغوت کے زمرے میں شامل ہیں۔بذات خود یہ قوانین بھی طاغوت ہیں اوران کو وضع کرنے والے اورانہیں نافذ کرنے والے سبھی طاغوت ہیں۔اسی طرح ہروہ کتاب جوانسانی عقل کی تخلیق ہواوروہ لوگوں کواس حق سے روک رہی ہو جسے رسول اللہ ﷺ لے کرآئے تھے،اس کتاب کوتصنیف کرنے والے کا خواہ ایسا مقصد ہو یا نہ ہووہ بھی طاغوت میں شامل ہے۔(حاشیہ کتاب فتح المجید،صفحہ:۲۸۲،طبع دارالکتب العلمیہ)

خلاصہءکلام:

ہروہ چیز یاشخص جس کی اللہ تعالی کےعلاوہ پوجا کی جارہی ہواگرچہ کسی ایک خاص پہلو میں ہی کیوں نہ ہو اوروہ اس پرراضی بھی ہووہ طاغوت ہے۔جیسے محبت،دوستی اوردشمنی کےحوالے سے پوجا جارہا ہووہ طاغوت ہے،جس کی اطاعت،تابعداری اوراس سے فیصلہ کروانے کےحوالے سے پوجا کی جارہی ہو وہ بھی طاغوت ہے،اورجس کی دعاء،خوف،نذراورقربانی کےحوالے سےعبادت کی جارہی ہووہ بھی طاغوت ہے،اورجس کی اس حوالے سےعبادت کی جارہی ہوکہ اس کے لئے الوہیت کےتمام یا کچھ خصائص ثابت کئے جارہے ہوں وہ بھی طاغوت ہے۔

ایسے قوانین وضوابط،دستوراورمنہج جوکہ اللہ تعالی کی شریعت کےمنافی ہیں وہ بھی طاغوت ہیں،اوراس کفر،فساداورگمراہی کےامام اورسربراہ بھی طاغوت کےزمرے میں شامل ہیں۔

ایک سوال: کیا ہرطاغوت کافرہے؟

جب کبھی یہ سوال اٹھایا جائےتوبلاشک وشبہ اس سےمرادوہ شجروحجرنہیں ہوتے جنہیں اللہ تعالی کےعلاوہ پوجا جارہا ہوبلکہ اس سےمرادانسانوں اورجنوں کے وہ شیاطین ہوتے ہیں جن کی اللہ تعالی کےعلاوہ عبادت کی جارہی ہو۔

اسی بنیادپرہم کہتے ہیں: ہروہ ذات جس کی اللہ تعالی کےعلاوہ پوجا کی جارہی ہواوروہ اس پرراضی بھی ہووہ پوجااورعبادت خواہ زندگی کےکسی خاص پہلو میں ہی کیوں نہ ہوایسا شخص کافرہے۔بلکہ وہ کفراور

سرکشی کے اماموں میں سے ایک امام ہے جس کا انکار کرنا اور اسے کافر قرار دینا لازم اور ضروری ہے ۔اس کے کافر ہونے میں توقف اور شک کا اظہار صرف وہی کرسکتا ہے جو اس کی طرح کافر ہو اور بصارت اور بصیرت دونوں سے اندھا ہو۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ کتاب وسنت میں طاغوت کا ذکر اس قدر سخت الفاظ میں کیا گیا ہے جو اس کے صریح کافر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلالت ہے کہ کلمہ ءکفر کے استعمال میں اصل یہ ہے کہ اسے ایسے طاغوتوں کے لئے استعمال کیا جائے جن میں کفر صریح کی تمام صفات جمع ہوچکی ہوں۔

لیکن کبھی کبھی طاغوت کا اطلاق کسی ایسے شخص پر بھی کردیا جاتا ہے جو ظاہری کافر نہیں ہوتا لیکن اس پر طاغوت کا لغوی معنی مراد لیا جاتا ہے۔ طاغوت کا لغوی معنی حد سے تجاوز کرنا اور ظلم وزیادتی ہے۔ ہر ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والا کافر نہیں ہوسکتا۔جس طرح بعض سلف صالحین نے بنوامیہ اور بنوعباس کے بعض ظالم امراء مثلاً حجاج بن یوسف وغیرہ کے لئے طاغوت کا لفظ استعمال کیا تھا۔انہوں نے اس اسم کا اطلاق لغوی اعتبار سے اس کے ظلم اور زیادتی کی وجہ سے کیا تھا۔کیونکہ سلف صالحین میں سے اکثر نے حجاج بن یوسف کی تکفیر سے توقف کیا ہے۔واللہ أعلم

اللہ تعالی کے علاوہ پوجے جانے والے طاغوت:

طاغوت کا مفہوم کیا ہے؟ اور اس اسم کا اطلاق کس پر ہوتا ہے؟ یہ سب کچھ جان لینے کے بعد یہ درست معلوم ہوتا ہے کہ ہم ذرا تفصیل کے ساتھ ان طاغوتوں کا تعارف حاصل کریں جن کی ہمارے زمانے میں عبادت کی جارہی ہے۔تاکہ ہم ان سے بچاؤ اختیار کرسکیں اور ان کے حوالے سے اپنی شرعی ذمہ داری کو پورا کرسکیں۔ہم اپنی بات کی ابتداء طاغوتوں کے سب سے بڑے سردار اور راہنما سے کرتے ہیں۔

1-شیطان:

یہ وہ ابلیس لعین ہے جس نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ بندوں کو اللہ تعالی کی عبادت سے موڑ کر غیر اللہ کی

عبادت کی طرف راغب کردے گا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ☆ ثُمَّ لآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَآئِلِهِمْ وَلاَ تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴾الأعراف: ۱۶-۱۷

اس نے کہا بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گذار نہ پایئے گا۔

اور فرمایا:

﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الأَرْضِ وَلأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ☆ إِلاَّ عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ﴾الحجر:۳۹-۴۰

(شیطان نے) کہا کہ اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے مجھے بھی قسم ہے کہ میں بھی زمین میں ان کے لئے معاصی کو مزین کروں گا اور ان سب کو بہکاؤں گا بھی۔سوائے تیرے ان بندوں کے جو منتخب کر لئے گئے ہیں۔

ان لوگوں پر شیطان کی کوئی چال کارگر ثابت نہیں ہوسکتی۔

یہی وہ صفت ہے جس کے ساتھ انسانوں اور جنوں کے اکثر شیطان متصف ہیں۔انہوں نے شرک،کفر اور گمراہی کو پھیلانے،ان کی مدد کرنے اور انہیں مضبوط کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلاَ يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىَ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُواْ ﴾البقرہ:۲۱۷

یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں

تمہارے دین سے مرتد کر دیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ چونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ طاغوت وہ ہوتا جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جارہی ہو، تو پھر لوگوں کے کس عمل میں شیطان کی عبادت پوشیدہ ہے؟ (ملک شام کے شمال مشرق کچھ ایسے قبائل پائے جاتے ہیں جو خوف اور امید کے حوالے سے شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسے برائی کا الہ مانتے ہیں، اور اس کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ کہیں وہ ان سے ناراض ہو کر ان پر کوئی مصیبت نہ نازل کر دے۔

مجھے ایک ایسے مدرس نے جو کہ ان علاقوں میں تدریس کا فریضہ سرانجام دیتے رہے تھے اپنا واقعہ بتایا کہ ایک دفعہ میں نے شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی تو اس علاقے کے سبھی لوگ میرے خلاف کھڑے ہو گئے اور مجھے دھمکیاں دینے لگے کہ اگر میں نے دوبارہ اس قسم کی بات اپنی زبان سے نکالی تو وہ میری پٹائی کریں گے یا مجھے جان سے ہی مار دیں گے۔ (مؤلف))

اس کا جواب یہ ہے کہ: اس کی عبادت رکوع وسجود کے معانی میں نہیں ہے بلکہ اس کی عبادت کفر وشرک میں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے حوالے سے کی جارہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ یٰس:٦٠

اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اور فرمایا:

﴿إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنَاثاً وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَاناً مَّرِيداً﴾ النساء:١١٧

یہ تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں۔

اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا:

﴿يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيّاً﴾ مریم:٤٤

میرے ابا جان آپ شیطان کی پرستش سے باز آجائیں شیطان تو رحم وکرم کرنے والے اللہ

تعالیٰ کا بڑا ہی نافرمان ہے۔

2- نفسانی خواہشات:(الھوی)

لفظ(الھوی) جھکاؤ،محبت اور عشق کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔اس کا استعمال خیروشر دونوں قسم کے مفاہیم میں ہوتا ہے۔ یہ کسی چیز کا ارادہ اوراس کی خواہش کرنے کے مفاہیم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ہوی النفس سے مراد: نفسانی خواہش اورارادہ ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى ﴾النازعات:۴۰،اس کا معنی یہ ہے کہ:اس نے اپنے نفس کو غلط خواہشات اوراللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کاموں کی طرف رغبت سے بچا کر رکھا۔

لفظ(الھوی) کو اگر مطلقا بولا جائے تو یہ مذموم معانی میں ہی استعمال ہوگا البتہ اگر اس کے ساتھ کوئی صفت ذکر کردی جائے تو وہ اسے مذموم معنی سے نکال دے گی۔جیسے کہا جاتا ہے: ھوی حسن :اچھی خواہش یا ھوی موافق للصواب :درست طریقے کے موافق خواہش۔(دیکھئے!لسان العرب،میرا نظریہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ لفظ صرف اورصرف مذموم معانی میں ہی استعمال ہوا ہے۔(مؤلف))

بعض صورتوں اورحالات میں خواہش نفسانی کو طاغوت اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اس کی اطاعت اورفرمانبرداری کی جارہی ہوتی ہے۔اوراشیاء کے بارے میں حکم لگانے کے لئے خواہش نفسانی کو ہی مصدر مانا جارہا ہوتا ہے۔جس چیز کو نفس حق کہے اسی کو حق مانا جاتا ہے اور جسے نفس باطل کہہ دے اسے باطل کہا جاتا ہے اگر چہ یہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح دوستی اوردشمنی کے تعلقات کے لئے نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا۔یعنی انسان اس سے دوستی رکھے جس کے بارے میں اس کا نفس خواہش کرتا ہواوراس میں شرعی تقاضے کا خیال نہ رکھے،اسی طرح اس سے دشمنی رکھے جس کے بارے میں اس کا نفس دشمنی رکھنے کا متقاضی ہو اگر چہ شریعت اس سے دوستی رکھنے کی متقاضی ہی کیوں نہ ہو۔

اس صورت میں نفسانی خواہشات ایک ایسے الہ کا روپ دھار لیتی ہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جارہی ہوتی ہے۔خواہشات کی پیروی کرنے والا درحقیقت اپنی خواہشات کو اپنا الہ اوراللہ تعالیٰ کا

شریک بنائے ہوئے ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَا تُطِعۡ مَنۡ أَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهُۥ عَن ذِكۡرِنَا وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ وَكَانَ أَمۡرُهُۥ فُرُطٗا﴾ الکھف:۲۸

دیکھو اس کا کہانہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور جس کا کام حد سے گذر چکا ہے۔

اور فرمایا:

﴿أَرَءَيۡتَ مَنِ ٱتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيۡهِ وَكِيلًا﴾ الفرقان:۴۳

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟

اور فرمایا:

﴿أَفَرَءَيۡتَ مَنِ ٱتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُ وَأَضَلَّهُ ٱللَّهُ عَلَىٰ عِلۡمٖ﴾ الجاثیہ:۲۳

کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ تعالی نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: جو کوئی اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے گویا کہ اس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا۔ وہ الوہیت کا حق اسے نہیں دیتا جو اس کا مستحق ہے بلکہ الوہیت کا حق اسے سونپ رہا ہے جسے اس کی خواہشات چاہتی ہیں۔ نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنانے والے کی کیفیت اس طرح ہے کہ یہ بھی اپنے معبود یعنی نفسانی خواہشات سے اسی طرح محبت کرتا ہے جس طرح مشرکین اپنے معبودوں سے محبت کیا کرتے تھے، اور جس طرح بچھڑے کے پجاری اپنے بچھڑے سے محبت کرتے تھے۔ یہ اللہ تعالی کے لئے محبت نہیں ہے بلکہ یہ اس کی محبت میں شرک ہے اور یہ مشرکین جیسی محبت ہے۔

بعض لوگ اللہ تعالی کی محبت کا دعوی بھی کرتے ہیں لیکن انہیں لمحات میں وہ اپنی نفسانی خواہشات کا

احترام بھی کررہے ہوتے ہیں، گویا کہ انہوں نے اپنی نفسانی خواہشات کی محبت کو اللہ تعالی کی محبت کا شریک بنادیا۔ (فتاوی ابن تیمیہ:۸/۳۵۹)

3- ساحر:

ساحر بھی طاغوت کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ اس کا دعوی ہوتا ہے کہ وہ اشیاء پر اثر انداز ہوسکتا ہے، یعنی وہ جس پر چاہے تکلیف نازل کردے اور جس کی چاہے تکلیف دور کردے۔ حالانکہ یہ اللہ تعالی کی خصوصیات میں سے ایک اہم ترین خصوصیت ہے جیسا کہ پہلے بھی اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔
اس کے باوجود اکثر لوگ توحید سے لاعلمی اور اپنے اوپر اللہ تعالی کے حق سے بے خبری کی وجہ سے ساحروں کی اس حوالے سے عبادت کرتے ہیں کہ وہ ان کی اس قدرت کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ نفع اورنقصان کے حوالے سے اشیاء پر اثر انداز ہوسکتے ہیں۔ اور اسی طرح خوف اور رجاء کے حوالے سے بھی وہ ان کی عبادت کرتے ہیں وہ ان سے امید رکھتے کہ وہ ان کے لئے فلاں فلاں فوائد حاصل کرسکتے ہیں اور مریض سے دکھ اور تکلیف کو دور کرسکتے ہیں۔ اس حوالے سے ساحر طاغوت اور کافر ہے ، اسلام میں اس کی حد یہ ہے کہ اس کی گردن پر اس قدر شدت کے ساتھ ضرب لگائی جائے کہ اس کا سر تن سے جدا ہوجائے۔
جبکہ اس کے کافر ہونے کی دلیل یہ کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَى مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَـٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ **البقرة:۱۰۲**

اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے تو کفر نہ کیا تھا، بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے، اور بابل میں ہاروت ماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا، وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر۔

قرطبی آیت کریمہ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ﴾کی تفسیر میں رقمطراز ہیں: اللہ تعالی نے سلیمان کو کفر سے بری قرار دیا ہے۔ جبکہ پیچھے آیت میں کہیں بھی اس بات کا تذکرہ نہیں ہوا کہ کسی نے سلیمان علیہ السلام کو کفر کی طرف منسوب کیا تھا، البتہ یہودیوں نے انہیں سحر یعنی جادو کی طرف منسوب کیا تھا۔ جب سحر کو کفر قرار دے گیا تو ان کی سحر کی طرف نسبت ایسے ہی ہے گویا کہ انہیں کفر کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں:﴿وَلَكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوا﴾سحر کی تعلیم دینے کی وجہ سے ان کا کفر ثابت ہو گیا۔

امام قرطبیؒ ہی فرماتے ہیں: امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنی طرف سے کسی کفریہ کلام کے ذریعے جادو کرنا شروع کر دے (میرے مطابق: سحر شرک اور کفر کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ اس میں جن شیاطین سے مدد طلب کی جاتی ہے، ان کی تعظیم کی جاتی ہے اور ان سے امید رکھی جاتی ہے، اشیاء میں ان کی تاثیر کا یقین کیا جاتا ہے اور اسی طرح بہت سے مافوق العادۃ امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ جادوگروں کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ وہ اپنے شیاطین کی خوشنودی کے لئے قرآن کریم کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ الفتاوی ۱۹/ ۳۵ میں فرماتے ہیں: اس قسم کے اکثر امور میں قرآن کریم کو نجاست مثلاً خون وغیرہ سے لکھا جاتا ہے اور جادوگر قرآن کریم کے حروف کو الٹ کر لکھتے ہیں یا اس کا ورد کرتے ہیں، یہ سب کچھ اپنے شیاطین کی خوشنودی کے لئے کیا جاتا ہے۔ جب یہ لوگ اپنے شیاطین کی خواہشات کے مطابق قرآن کو لکھتے اور پڑھتے ہیں تو شیطان بھی ان کی مدد کرتے ہیں۔ اس کفر سے بڑھ کر بھلا اور کون سا کفر ہو سکتا ہے؟)

تو اسے قتل کر دیا جائے گا، اس سے نہ تو توبہ کروائی جائے گی اور نہ ہی اس کی توبہ قبول کی جائے گی، کیونکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جسے زندیق کی طرح خفیہ رکھا جائے گا۔ اور اللہ تعالی نے سحر کو کفر کے ساتھ موسوم کیا ہے:﴿وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾، امام احمد بن حنبل، ابوثور، اسحٰق، شافعی، ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔ عمر فاروق، عثمان، ابن عمر، حفصہ، أبوموسی اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام اور تقریباً سات تابعین عظام سے ساحر کو قتل کرنے کے بارے میں روایت بیان کی گئی ہے۔

امام شافعیؒ سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ ان کا مذہب یہ تھا: ساحر کو صرف اسی صورت میں قتل کیا جائے جب وہ اپنے جادو کے ذریعے سے کسی کو قتل کر دے اور یہ اقرار بھی کرے کہ میں نے اسے جان بوجھ کر

قتل کیا ہے۔اگر وہ یہ کہے کہ میں نے جان بوجھ کر قتل نہیں کیا تو اسے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا ۔اس بارے میں قتل خطا کی دیت لی جائے گی ۔اگر وہ اپنے جادو کے ذریعے سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اسے اس تکلیف کے بقدر سزا دی جائے گی۔

ابن العربی فرماتے ہیں: یہ مذہب دو طریقوں سے باطل ہے:

اول یہ کہ: امام صاحب کو جادو کے بارے میں کوئی خاص معلومات ہی نہیں ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ جادو ایسے کلام وغیرہ کا مجموعہ ہوتا ہے جس میں غیر اللہ کی تعظیم بیان کی جاتی ہے اور اس کی طرف تمام قدرتوں ،تقدیر اور کائنات کے امور کی نسبت کی جاتی ہے۔

دوم یہ کہ: اللہ تعالی نے اپنی کتاب عزیز میں بڑے صریح انداز میں یہ بات ذکر کی ہے کہ جادو کفر ہے، فرمایا:﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَان ﴾،یعنی جادو کے ذریعے﴿وَلَـكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوا ﴾یعنی جادو کرنے اور اسے سکھانے کے ذریعے۔اور ہاروت اور ماروت کہا کرتے تھے:﴿إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلاَ تَكْفُر﴾ یہ اس بیان کی تاکید ہے۔(تفسیر قرطبی:۲/۴۴،۴۷-۴۸)

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے جادو اور اس کے مطابق عمل کرنے کو نواقض الایمان میں شامل کیا ہے جس سے بندہ ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔(الرسائل الشخصیۃ ،صفحہ:۶۹)

جزیرہ عرب میں ان کے بیٹوں، پوتوں اور دوسرے علمائے توحید نے اسی مسلک کو اختیار کیا تھا۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے ''الاقناع'' کے مصنف کے حوالے سے یہ عبارت ذکر کی ہے: جادو سیکھنا، سکھانا اور کرنا سب حرام ہیں۔انسان جادو سیکھنے اور کرنے سے کافر ہو جاتا خواہ وہ اسے حرام تصور کرتا ہو یا جائز سمجھتا ہو۔(الرسائل الشخصیۃ ،صفحہ:۲۱۳)اس کلام پر ذرا غور کیجئے۔

4- کاہن:

یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو غیب کی خبریں دیتے ہیں۔یہ غیب اور زمانہ مستقبل کی خبریں جاننے کے دعویدار ہوتے ہیں۔یہ اللہ تعالی کے اہم ترین خصائص میں سے ہے کہ غیب کا علم اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ الأنعام:۵۹

اوراللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، (خزانے) ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے۔

اور فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّهِ﴾ یونس:۲۰

آپ فرمادیجئے کہ غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے۔

اور فرمایا:

﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ النمل:۶۵

کہہ دیجئے کہ آسمانوں والوں میں سے زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشادفرمایا:

﴿قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعاً وَلاَ ضَرّاً إِلَّا مَا شَاء اللّهُ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لاَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ﴾ الأعراف:۱۸۸

آپ فرمادیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا، مگر اتنا ہی کہ جتنا اللہ نے چاہا ہو اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا۔

اس لئے مخلوق میں سے جو کوئی بھی علم غیب اور مستقبل کی خبریں دینے کا دعوی کرے وہ کاہن اور طاغوت ہے اور سرکشوں کا امام ہے۔ جو اس کے اس کے دعوی کو ثابت کرے گا اس نے اس کے لئے الوہیت کے خصائص کو ثابت کر دیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنا معبود بنالیا ہے۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں: طاغوت بہت زیادہ ہیں جن میں بڑے بڑے پانچ ہیں۔ ان میں ایک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ علم غیب کا دعوی کرتا ہے۔اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَداً﴾ الجن:۲۶ (مجموعة التوحید،صفحہ:۹)

وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔

پیالے گھمانے والے، ہاتھ دیکھنے والے، فال نکالنے والے بھی کہانت اور کاہن کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اسی طرح ستاروں اور برجوں کا علم جو اکثر پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں دکھایا جاتا ہے یہ بھی کہانت کی ایک قسم ہے اور یہ بھی اس علم غیب کی ایک قسم ہے جسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

طاغوت کی اس قسم کو بیان کرتے ہوئے ہم اپنے بھائیوں کو اس بات سے ڈرا رہے ہیں کہ جو اپنے دین کی سلامتی کا خواہش مند ہے وہ اپنے آپ کو کہانت کی ان مختلف اقسام سے بچا کر رکھے۔ مذاق میں بھی اس قسم کی کسی چیز کا تجربہ نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دین اس بات کا مستحق ہے کہ اسے سنجیدگی سے لیا جائے اسے کھیل تماشہ بنانا جائز نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> فال نکالنے والا اور جس کے لئے فال نکالی جارہی ہو، کاہن اور اور جسے کہانت کی خبریں دی جارہی ہوں، جادوگر اور جس کے لئے جادو کیا جارہا ہو ان سب لوگوں کا ہمارے دین سے کوئی تعلق نہیں۔ (طبرانی، صحیح الجامع الصغیر: ۵۴۳۵)

اور فرمایا:

> جو کسی نجومی یا کاہن کے پاس آیا اور اس کی باتوں کو سچا سمجھا، اس نے محمد ﷺ پر نازل ہونے والی شریعت کا انکار کر دیا۔ (أحمد، حاکم، صحیح الجامع: ۵۹۳۹)

اور فرمایا:

> جو کسی کاہن کے پاس آیا اور اس کی باتوں کو سچا سمجھا اس نے محمد ﷺ پر نازل ہونے والی شریعت سے براءت کا اظہار کر دیا۔ (أحمد، صحیح الجامع: ۵۹۴۲)

ہم اس کفر اور رسوائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان کے ساتھ عزت بخشی ہے۔

5- اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والا:

اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والا سرکشی اور ظلم میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالی کے حکم سے تجاوز اور اعراض کر کے اسے جاہلیت کے رسوم ورواج اور طور طریقوں سے بدلنے کا مرتکب ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ المائدہ:۴۴

جولوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں۔

اور فرمایا:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ المائدہ:۴۵

اور جولوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کریں، وہی لوگ ظالم ہیں۔

اور فرمایا:

﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ المائدہ:۵۰

کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالی سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟

اللہ تعالی کے حکم کے علاوہ ہر حکم جاہلیت کا حکم تصور ہوگا آیت کریمہ اسی بات کی وضاحت کررہی ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ تعالی کے حکم کو چھوڑ کر کسی دوسرے حکم کا طلبگار رہے وہ ان لوگوں میں شامل ہے جو جاہلیت کے احکام کا نفاذ چاہتے ہیں۔

اللہ تعالی کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کی وجہ سے جو لوگ طاغوت کے مفہوم اور اس کے وصف میں شامل ہیں ان میں عدالتوں کے جج اور وہاں کام کرنے والے وکلاء بھی شامل ہیں کیونکہ یہ طاغوتی قوانین کے ذریعے لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے ہیں۔اور اسی طرح قبیلوں اور خاندانوں کے وہ سردار بھی اس میں شامل ہیں جو معروف رسوم ورواج ،طور طریقوں اور اپنی خواہشات کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہیں اور ان فیصلوں کو اللہ تعالی کی شریعت پر مقدم کرتے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ طاغوت کی تعریف میں تو یہ کہا گیا تھا کہ اس سے مراد ہر وہ چیز یا شخص ہوتا ہے جس کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جارہی ہو۔اللہ تعالی کے احکام کے بغیر فیصلہ کرنے والے حاکم کی عبادت کس بات میں پوشیدہ جس بناپراسے طاغوت کا نام دیا جارہا ہے؟

اس اعتراض کا جواب مختلف طریقوں سے دیا جائے گا:

1-اللہ تعالی کے حکم کے بغیر فیصلہ کرنے والے حاکم کوخود اللہ تعالی نے طاغوت کہا ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ﴾ النساء:٦٠

لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں۔

بلا شک وشبہ مذکورہ آیت میں وارد ہونے والے طاغوت کے مفہوم میں وہ حاکم بھی شامل ہے جو اللہ تعالی کی شریعت کو چھوڑ کر فیصلہ کرتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حاکم درجہ اولی میں طاغوت کے مفہوم داخل ہو۔بعض سلف سے یہ بات ثابت ہے کہ مذکورہ آیت میں وارد ہونے طاغوت سے مراد کعب بن أشرف یہودی ہے کیونکہ وہ اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے بغیر فیصلہ کیا کرتا تھا۔

سید مودودیؒ فرماتے ہیں: مذکورہ آیت مبارکہ میں صراحتا طاغوت سے مراد ایسا حاکم ہے جو اللہ تعالی کے قوانین اور شریعت کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے۔اسی طرح وہ عدالتی نظام جو اللہ تعالی کی حاکمیت اعلی کو نہیں مانتا اور اللہ تعالی کی کتاب کو چھوڑ کر کسی دوسری قانون کی کتاب کا سہارا لیتا ہے وہ بھی طاغوت کے زمرے میں آتا ہے۔(اسلامی حکومت)

2-اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والا حاکم جو فیصلہ کرتا ہے لوگ اس کے فیصلے کو تسلیم کرلیں تو اس حوالے سے وہ ان کا معبود ہی بن جاتا ہے کیونکہ لوگ اللہ تعالی کی بات کو چھوڑ کر اس کی بات تسلیم کررہے ہوتے ہیں۔ یہ بات پہلے بھی گذرچکی ہے کہ فیصلہ کروانا بھی عبادت کے زمرے میں آتا ہے جو کہ صرف اور اللہ تعالی کے لئے ہی خاص ہے۔ جو کسی غیر سے فیصلہ کرواتا ہے وہ اس غیر کو اپنا الہ سمجھ رہا ہے اور اس کی عبادت کررہا ہے۔

3- جو حاکم اللہ تعالی کی شریعت کو چھوڑ کر دوسرے قوانین کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے وہ اللہ تعالی کے اولیاء ،اس کے اطاعت گذاروں اور اس کے ساتھ راضی رہنے والوں کو وحی کے نور اور اسلام کے عدل یعنی اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے سے نکال کر شرک ،کفر اور جاہلیت کے اندھیروں یعنی اللہ تعالی کی شریعت کے مخالف فیصلہ کرنے کی مصیبتوں میں ڈال رہا ہے۔اللہ تعالی کے اس فرمان سے ایسے ہی حاکم مراد ہیں:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُواْ أَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾البقرة:۲۵۷

اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں۔وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والے حاکم پر اسم، معنی اور صفت ہر لحاظ سے لفظ طاغوت کا اطلاق ہوتا ہے،اور اس سے بچاؤ کی کوئی بھی صورت نہیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں: طاغوت بہت زیادہ ہیں جن میں بڑے بڑے پانچ ہیں۔ان میں ایک وہ ہے جو اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے بغیر فیصلہ کرتا ہے۔اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾المائدہ:۴۴

جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں۔(مجموعۃ التوحید،صفحہ:۹)

اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والے کے بارے میں فیصلہ کن بات:

ہم جب اس بحث میں اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والے حاکم کے طاغوت ہونے کے بارے میں بات کر رہے ہیں تو اس سے ہماری مراد وہ حاکم نہیں ہوتے جو اللہ تعالی کی شریعت کو پسند کرنے والے ہوتے ہیں،اور اس کے متبادل کسی نظام سے خوش نہیں ہوتے۔اور حتی المقدور اپنی زندگی

کے تمام شعبوں میں اسے لاگو کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔لیکن کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے کہ ان کی ذاتی کمزوری یا بشری لغزش کی وجہ سے ان سے کوئی فیصلہ اللہ تعالی کی شریعت کی مخالفت میں صادر ہو جاتا ہے جس کے گناہ کا انہیں پورا احساس بھی ہوتا ہے اور وہ اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ بنو امیہ، بنو عباس اور ان کے بعد آنے والے مسلمان حکمرانوں میں سے اکثر کی کیفیت تھی۔

یہ اور اس قسم کے دوسرے حکمرانوں کو ہم مسلمان ہی کہیں گے۔ کیونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ معتبر اہل علم میں سے کسی نے ان کے بارے میں کفر کا فتوی لگایا ہو۔اس قسم کے حکمرانوں پر ہم ابن عباسؓ اور ان جیسے دوسرے اہل علم کا مقولہ ثبت کریں گے: یہ کفر سے کم درجے کا کفر ہے۔ یہ وہ کفر نہیں ہے جو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے،انہوں نے ایسا فعل سرانجام دیا ہے جو کہ کفار کے افعال سے مشابہ ہے۔

طاغوت سے ہماری مراد ایسے حکمران نہیں ہیں جو کہ ایک لمبے عرصے سے نقشہ ء عالم سے مفقود ہو چکے ہیں۔ بلکہ ہماری مراد وہ حکمران ہیں جو آج کل مسلمانوں کے ملکوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جس نے اللہ تعالی کی شریعت کو بدل ڈالا ، اور طاغوتی قوانین کو اللہ تعالی کی شریعت پر مقدم کر دیا۔طاغوتی قوانین کو اچھا سمجھا اور انہیں لوگوں کی نگاہوں میں مزین کر کے پیش کیا۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جو اللہ تعالی کی شریعت اور اس شریعت کو زمین میں نافذ کرنے کی دعوت دینے والوں سے دشمنی اور اعلان جنگ کرتا ہے۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جو مال،فوج اور اسلحے کے زور پر کفر کے قوانین کا دفاع اور حمایت کرتا ہے اور ان قوانین کو نافذ کرنے کے لئے مسلمانوں کے خلاف لڑائی کرتا ہے۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جس میں وہ تمام نشانیاں اور علامات جمع ہو چکی ہیں جو کہ اللہ تعالی کی شریعت پر اس کی ناپسندیدگی کو ظاہر کرتی ہیں۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جس سے اللہ تعالی کا ایک حکم منوانے کے لئے بھی اس کے خلاف شدید قسم کی مسلح جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جو اللہ تعالی کی شریعت کو پیٹھ دکھاتا ہے اور اس سے ہر طریقے سے اعراض

کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ہماری مراد وہ حکمران ہے جس نے اپنی زبان حال اور عمل کے ذریعے اللہ تعالی کی شریعت کے مخالف قانون سازی کو حلال قرار دے دیا ہے۔

ہماری مراد اس خبیث ترین حالت سے ہے جو اس وقت امت کے سینے پر اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہے اور اس کے وسائل پر قبضہ جمائے ہوئے ہے۔ اور ہماری مراد وہ سرکش حاکم ہے جس کی صفات کا ابھی ذکر ہو چکا ہے۔ اس بارے میں ہم کہتے ہیں کہ: کتاب وسنت کے دلائل اور تمام معتبر علمائے امت کے اقوال سے بالا جماع ایسے حکمران کا ظاہری کافر ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ایسے حکمران کو کافر کہنے اور سمجھنے سے توقف کا اظہار صرف وہی کر سکتا جو دین کے بارے میں غفلت کا شکار ہے اور اس کی بصارت اور بصیرت دونوں کھو چکی ہیں۔

اس بارے میں بعض اہل علم کے اقوال آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں:

1-ابن کثیر:

ابن کثیر ارشاد ربانی: ﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ المائدہ: ۵۰، کی تفسیر کے تحت رقمطراز ہیں:

اللہ تعالی اس انسان کی مذمت بیان کر رہے ہیں جو اس کے محکم اور مضبوط حکم سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کو چھوڑ کر دوسری آراء، نظریات اور اصطلاحات کی طرف رجوع کرتا ہے، حالانکہ اللہ تعالی کا حکم ہر بھلائی کے کام پر مشتمل ہے اور ہر برائی سے روکنے والا ہے، اور دوسرے آراء ونظریات خالصتاً انسانی ذہن کی پیداوار ہیں اور انہیں وضع کرنے کے لئے شریعت سے راہنمائی نہیں لی گئی۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ نفسانی خواہشات اور ذاتی نظریات کے ذریعے وضع کردہ اصول وقواعد کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ تاتاری اپنے بادشاہ چنگیز خان کی وضع کردہ قانون کی کتاب کے ذریعے اپنے ملکی معاملات میں فیصلہ سازی کرتے ہیں۔ چنگیز خان کی وضع کردہ یہ قانون کی کتاب ایسے احکام وضوابط کا مجموعہ ہے جو اس نے مختلف شریعتوں مثلاً یہودیت، عیسائیت اور اسلام سے اخذ کئے ہیں۔ اور

اس میں بہت سے ایسے احکام بھی ہیں جو خالصتا اس کے اپنے نقطۂ نظر اور سوچ پر مبنی ہیں۔تاتاریوں کے نزدیک یہ مجموعہ ایک ایسی شریعت کا روپ دھار چکا ہے جسے وہ فیصلہ کرنے کے لحاظ سے کتاب وسنت سے بھی زیادہ فوقیت دیتے ہیں۔جو کوئی ایسا کرے گا وہ کافر ہے اور اس کے ساتھ قتال کرنا واجب ہے جب تک وہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ سے فیصلہ کروانا شروع نہیں کر دیتا۔خواہ کوئی چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا وہ اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر کسی سے فیصلہ نہ کروائے۔ارشاد باری تعالی ہے: ﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ﴾یعنی وہ جاہلیت کے قوانین کے مطابق فیصلہ کروانا پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالی کے حکم سے اعراض کرتے ہیں۔﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴾(تفسیر ابن کثیر:۲/۷۰)

غور کیجئے !امام ابن کثیرؒ نے کس خوبی سے چنگیز کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے کو کفر کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔اور یہ بیان کیا ہے کہ جو ان قوانین کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ کافر ہے اور اس کے ساتھ قتال کرنا واجب ہے۔پھر دوبارہ غور کیجئے! کیا آپ کو چنگیز خان کے وضع کردہ قوانین اور موجودہ دور کے وضع کردہ قوانین جو آج مسلمانوں کے ملکوں میں نافذ ہیں ان میں کوئی فرق نظر آتا ہے؟

بلکہ چنگیز خان کے قوانین موجودہ دور کے قوانین سے پھر بھی افضل ہیں کیونکہ ان میں اس نے کچھ نہ کچھ اسلامی شریعت کے اصول وضوابط بھی داخل کئے تھے، جبکہ مسلمان ملکوں میں رائج موجودہ دور کے قوانین سب کے سب مغرب سے درآمد شدہ ہیں اور انسانوں کی نفسانی خواہشات کا ملغوبہ ہیں۔

2- أحمد شاکر:

ابن کثیرؒ کے گذشتہ اقوال پر اضافہ کرتے ہوئے موجودہ دور کے محقق عالم دین احمد شاکر رقمطراز ہیں: کیا شرعی طور پر یہ جائز ہے کہ مسلمان اپنے ملکوں میں ایسے قوانین کے ذریعے فیصلے کریں جو کہ بت پرست اور ملحد یورپ کے قوانین سے اخذ کئے گئے ہیں۔بلکہ یہ قوانین ان کی اپنی ذاتی خواہشات اور آراء پر مبنی ہوتے ہیں جن میں یہ اپنی مرضی سے تغیر وتبدل پیدا کرتے رہتے ہیں اور اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ آیا یہ قوانین شریعت کے موافق ہیں یا اس کے مخالف؟

ان قوانین کے بارے میں یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ یہ ایسا ظاہری کفر ہیں جس میں کسی قسم کا کوئی اخفاء نہیں ہے، اوراسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والوں کے لئے یہ کسی صورت جائز نہیں کہ وہ ان قوانین کوتسلیم کریں، ان کے سامنے اپنا سر جھکائیں اوران کے مطابق عمل کریں۔

کیا اس کے باوجود بھی کسی مسلمان کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ اس جدید قسم کے دین یعنی جدید شریعت کوقبول کرے؟

یا کسی مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ موجودہ دور کے چنگیزی قوانین کے ذریعے سے فیصلے کروائے اوراپنی ظاہری اوربہترین شریعت کوچھوڑ دے؟ (عمدۃ التفسیر:۴/۱۷۱،۱۷۴)

3-ابن تیمیہ:

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ارشاد باری تعالی ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ...... ﴾ کے بارے میں رقمطراز ہیں: ان آیات میں کتاب وسنت کوچھوڑ کر دوسرے ذرائع سے فیصلہ کروانے والے کے گمراہ اورمنافق ہونے کے بارے میں بہت سے دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔ اگرچہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ میں تو دلائل شریعت اور مشرکین اوراہل کتاب سے اخذ کردہ بعض قوانین جنہیں وہ عقلیات کا نام دیتے ہیں کے درمیان موافقت پیدا کررہا ہوں۔

حکمران اگررشوت لینا شروع کردے، برائیوں سے روکنا اورحدود کوقائم کرنا بند کردے تو اس کی مثال چوروں اورڈاکوؤں اورفواحش کا ارتکاب کرنے والے لوگوں جیسی ہے۔(اگررشوت لے کراللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والے کے بارے میں اس قدر سخت وعید ہے تو اللہ تعالی کے حکم سے کلی طور پراعراض کرنے والے اوراللہ تعالی کی شریعت کو بندوں کی بنائی ہوئی شریعت کے ساتھ تبدیل کردینے والے کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟)

اس کے علاوہ اس کی کیفیت لوط علیہ السلام کی بیوی جیسی ہے جوکہ ایک بری بڑھیا ثابت ہوئی تھی کیونکہ وہ کافروں کولوط علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں خبردار کردیا کرتی تھی۔ اللہ تعالی نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ﴾الأعراف:۸۳

سوہم نے لوط (علیہ السلام) کواوران کے گھر والوں کو بچالیا بجز ان کی بیوی کے کہ وہ ان ہی لوگوں میں رہی جوعذاب میں رہ گئے تھے۔

حکمران کوتواس لئے متعین کیا جاتا ہے کہ وہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے یہی اس کی تعیین کا مقصد ہوتا ہے۔اگرکوئی حکمران رشوت لے کر برائیوں کومعاشرے میں پھیلانا شروع کردے تو وہ اپنے مقصد کے الٹ چل رہا ہے۔(یہ تو رشوت لے کر برائیوں کورواج دینے والوں کی کیفیت ہے اگرکوئی مال لے کرفحاشی اور عریانی کو پھیلانے کی کوشش کرے تواس کی کیا کیفیت ہوگی؟)

اس کی مثال تو یہ ہے کہ آپ کسی شخص کواپنے محافظ کے طور پر بھرتی کرتے ہیں اوراسے تنخواہ دیتے ہیں کہ وہ آپ کوآپ کے دشمن کے بارے میں خبردار کرتا رہے لیکن وہ الٹا آپ کے دشمن کوآپ کے بارے میں خبردار کردے۔یا ایسے حکمران کی مثال یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالی کے راستے میں جہاد کرنے کے لئے لوگوں سے مال اکٹھا کرے لیکن پھراسی مال کومسلمانوں کے قتل کرنے میں استعمال کرنا شروع کردے۔

اورفرماتے ہیں: علماء کا اس بات پراتفاق ہے کہ ہروہ جماعت اورگروہ جواسلام کے ظاہری اور ہمیشہ سے چلے آرہے قوانین اورضوابط کوتوڑنے کی کوشش کرے اس کے خلاف جہاد کرنا واجب ہوجاتا ہے یہاں تک کہ دین سارے کا سارا اللہ تعالی کا ہوجائے۔

کتاب وسنت اوراجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ جوشخص اسلامی شریعت سے خروج کرلیتا ہے اگرچہ وہ کلمہءشہادت کا اقرار بھی کرتا ہولیکن پھربھی اس سے قتال کرنا لازم اورضروری ہوگا۔

اورفرماتے ہیں:حکمران طبقے میں سے جوکوئی اللہ تعالی اوراس کے رسول ﷺ کی اطاعت اختیار کرنے سے انکار کردے اس نے اللہ تعالی اوراس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ کردیا۔اور جوکوئی زمین میں کتاب اللہ اورسنت رسول ﷺ کے بغیرہی فیصلہ کردیتا ہے وہ زمین میں فساد برپا کرنا چاہتا ہے۔

یہ بات بالاتفاق ثابت ہے کہ جوکوئی دین اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین اور شریعت محمدیہ کے علاوہ کسی دوسری شریعت کی اتباع کو جائز قرار دے گا (موجودہ دور کے حکمرانوں کا معاملہ صرف یہ نہیں ہے کہ وہ کافروں کی شریعت کے جواز پر ٹھہرے ہوئے ہیں اوراس سے آگے نہیں بڑھ رہے، بلکہ ان کا معاملہ اس سے تجاوز کر چکا ہے وہ اللہ تعالی کے خلاف انتہائی جرأت کا اظہار کرتے ہوئے کافروں کے قوانین کواپنے معاشروں میں نافذ کررہے ہیں اورانہیں لوگوں کی نگاہوں میں مزین بنا کر پیش کررہے ہیں۔اورلوگوں کوان قوانین کے مطابق فیصلہ کروانے پر مجبور کرتے ہیں۔جوشخص ان قوانین کا انکار کرتا ہے یاان کے مطابق عمل کرنے سے ہچکچاہٹ کا اظہار کرتا ہےاسے بڑی سے بڑی سزاؤں سے گذارا جاتا ہے۔اس قانون کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ: یہ ہر چیز سے بالاتر ہے۔بھلااس کفر سے بڑھ کربھی کوئی کفر ہوسکتا ہے۔)

وہ کافر ہے۔اس کا کفر ویسا ہی شدید ہے جیسا اس کا شخص کا کفر ہے جو کہ کتاب کے بعض حصے پر ایمان لاتا ہےاور بعض کا انکار کرتا ہے۔

اورفرماتے ہیں: جوشخص اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کے بغیر لوگوں کے درمیان صرف اس وجہ سے فیصلہ کرنے کوحلال سمجھتا ہے کہ اس کے نزدیک کافروں کے قوانین عدل وانصاف پرمبنی ہیں ایسا شخص بھی کافر ہے۔(موجودہ زمانے میں مرجئہ کے طریقے پر چلنے والوں کے نزدیک صرف وہی شخص کافر ہےاللہ تعالی کی حرام کردہ اشیاءکوحلال کرنے کا مرتکب ہے جوزبان سے علی الاعلان اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنا حلال ہے، حالانکہ ایسا کرنے کی توزمین کے سب سے بڑے سرکش انسان سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی ۔اس کے علاوہ دوسرے جتنے قرائن ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس شخص کے ہاں اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنا حلال ہے یعنی وہ عملی طور پر دوسرے قوانین کے ذریعے فیصلہ کرتا ہو یا اللہ تعالی کی شریعت کوحقیر سمجھتا ہوان سب قرائن کا ان لوگوں کے ہاں کوئی اعتبار نہیں۔اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ قول اورعمل کوایمان اور کفر کی دلیل کے طور پر ماننے سے انکاری ہیں ان کے ہاں ایمان اور کفر صرف اعتقاد کا نام ہے۔ایمان کے بارے میں ایسے لوگوں کا عقیدہ جہمیہ جیسا ہے اگر چہ وہ اس بات کوتسلیم نہ بھی کریں۔یہ بات سلف کے نظریہ کے بالکل خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک ایمان اعتقاد،قول اورعمل کا نام ہے۔اسی طرح کفر بھی اعتقاد،قول اورعمل کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔اس مسئلے کی مکمل تفصیل آپ ہمارے اس دوسوصفحات پرمبنی رسالے میں دیکھ سکتے ہیں جوہم نے شیخ ناصرالدین اُلبانی کی کیسٹ ''الکفر کفران'' کے ردمیں تحریر کیا ہے۔)

کیونکہ دنیا کی ہر امت عدل وانصاف کے مطابق ہی فیصلے کرتی ہے۔ایسے لوگوں کے ہاں عدل کبھی کبھی ان کے آباء واجداد کے نظریات کا نام ہوتا ہے۔ بلکہ اکثر ایسے لوگ بھی جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب سمجھتے ہیں اپنے قبائلی رسوم ورواج کے مطابق فیصلے کرتے ہیں جو کہ اللہ تعالی نے نازل نہیں کئے ہوتے۔وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے معاملات میں صرف قبائلی رسوم ورواج کے تحت ہی فیصلہ کیا جائے گا۔یہ بات کفر ہے۔اکثر لوگ اسلام تو قبول کر چکے ہیں لیکن وہ فیصلہ اپنے قبائلی رسوم ورواج اور بڑوں کے کہنے کے مطابق ہی کرتے ہیں۔ان لوگوں کو اگر یہ معلوم بھی ہو جائے کہ اللہ تعالی کی شریعت کے خلاف فیصلہ کرنا درست نہیں تو وہ پھر بھی اس کا خیال نہیں رکھتے بلکہ اللہ تعالی کی شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے کو حلال سمجھتے ہیں، یہ لوگ بھی کافر ہیں۔(فتاوی ابن تیمیہ:۳/ ۳۱۷،مجموعۃ التوحید،صفحہ:۲۹۳)

3- شیخ محمد بن عبدالوہابؒ:

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص اللہ تعالی کی الوہیت میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہراتا ہے ہم سب سے پہلے اس کے سامنے شرک کے بطلان کو دلیل کے ساتھ واضح کریں گے اس کے بعد اسے کافر قرار دیں گے۔(کسی معین شخص کو کافر قرار دینے کے لئے حجت قائم کرنے کی شرط صرف اسی حالت میں ہوگی جب اس بات کا گمان ہوگا کہ آیا کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ معین شخص کسی ایسی جہالت کی وجہ سے اس شرک میں پڑ گیا ہو جس کا دور کرنا اس سے ممکن ہی نہ ہو۔کیونکہ بندہ جب کسی چیز کے کرنے سے عاجز آجائے تو اس بارے میں اس کا مکلّف ہونا ساقط ہو جائے گا۔اس عبارت سے شیخؒ کا یہی مقصود تھا۔البتہ اگر کفر کسی ایسی جہالت یا عجز کی وجہ سے ہو جس کا دور کرنا ممکن ہو لیکن وہ اپنی کوتاہی اور سستی کی وجہ سے ایسا نہ کرے تو ایسے شخص کو بالکل معذور نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ صریحا کافر ہوگا اور اس پر کفر کا حکم لگانے کے لئے کسی حجت کے قائم کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔کیونکہ ایک غلطی دوسری غلطی کے لئے جواز فراہم نہیں کرسکتی اور نہ ہی ایک غلطی دوسری کے ارتکاب کے لئے عذر کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾التغابن:۱۶۔یہ شخص اپنے آپ سے کفر کو دور کرسکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ایسا شخص صریحا کافر ہے اس لئے اسے کافر قرار دینے کے لئے اس پر نئے سرے سے حجت قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ بات میں نے اس لئے کہی ہے: کیونکہ موجودہ دور کے مرجئہ کے طریقے پر چلنے والے لوگ کسی بھی شخص کو کافر قرار دینے کے لئے اس پر حجت قائم کرنے کو جملہ معترضہ کے طور پر پیش کردیتے ہیں۔اگرچہ کفر کا ارتکاب کرنے والا وہ

شخص ابلیس سے زیادہ سرکش اور اس سے زیادہ صاحب علم ہی کیوں نہ ہو۔)

اسی طرح جو شخص شرک کو لوگوں کی نگاہوں میں خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے یا اس کے جواز پر کوئی باطل شبہ یا دلیل قائم کرتا ہے ہم اسے بھی کافر قرار دیں گے۔ اسی طرح جو اپنی تلوار کے ذریعے سے ان قبروں وغیرہ کا دفاع کرتا ہے جن کے پاس شرک کا ارتکاب کیا جاتا ہے، جو ان قبروں کا انکار کرتے ہیں اور انہیں مسمار کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے خلاف یہ لڑائی کرتا ہے ایسا شخص بھی کافر ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے دین کو مان لینے کے بعد اس سے دشمنی کا اظہار کرتا ہے اور لوگوں کو اس سے منع کرتا ہے اسے بھی ہم کافر قرار دیں گے۔ (الرسائل الشخصیۃ: ص ۸۵، ۶۰۔ غور کیجئے! شیخؒ نے اللہ تعالی کے علاوہ پوجی جانے والی قبروں کا دفاع کرنے والوں کو کس طرح کافر قرار دیا ہے۔ اس کا یہ فعل اس کے کافر ہونے کی ایک زبردست دلیل ہے اگر چہ وہ اپنی زبان کے ساتھ صراحتاً یہ نہ بھی کہے کہ وہ باطنی طور پر اسے حلال سمجھتا ہے۔)

میرے مطابق اس شخص کا حکم بھی ویسا ہی ہے یعنی وہ بھی کافر ہی ہے جو کفر اور شرک کے قوانین کے دفاع کے لئے ان لوگوں کے خلاف قتال کرتا ہے جو ان قوانین کا انکار کرتے ہیں اور انہیں ختم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص ان قوانین کو رواج دیتا ہے، انہیں اچھا قرار دیتا ہے اور امت پر نافذ کرتا ہے وہ بھی کافر ہے۔

4- محمد بن ابراہیم بن عبداللطیف آل الشیخ:

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والا کافر ہے۔ یہ کفر دو قسم کا ہوگا، یا تو اعتقادی کفر جو کہ ملت سے خارج کر دینے والا ہے یا پھر عملی کفر ہوگا جو ملت سے خارج نہیں کرتا۔ (اعتقادی کفر سے شیخ کی مراد کفر اکبر سے ہے، اس سے مراد وہ کفر نہیں ہے جو تصور میں صرف دل کے اعتقاد پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی طرح عملی کفر سے شیخ کی مراد کفر اصغر سے ہے جو کہ کفر اکبر سے کم درجے کا ہوتا ہے۔ شیخ عمل ظاہر سے مطلق طور پر کفر اکبر کی نفی نہیں کرنا چاہتے، جیسا کہ موجودہ دور میں جہمیہ کے طریق پر چلنے والے لوگ ایسا کرتے ہیں۔)

پہلا جو کہ اعتقادی کفر ہے اس کی بہت سی اقسام ہیں:

اولا: اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والا حاکم اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے ذریعے فیصلہ کرنے کے حق کا بالکل انکار کردے۔ یہ شخص کافر ہے اور اس کا کفر اسے ملت سے خارج کردینے والا ہے۔

ثانیا: حاکم اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے ذریعے فیصلہ کرنے کے حق کا انکار تو نہ کرے لیکن اس کا یہ اعتقاد ہو کہ رسول ﷺ کے علاوہ کسی دوسری شخصیت کا حکم رسول ﷺ کے حکم سے زیادہ درست، مکمل اور تمام امور کا احاطہ کرنے والا ہے۔ یہ اعتقاد بھی بلا شک وشبہ کفر ہے۔

ثالثا: وہ شخص کسی دوسرے کے حکم کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے زیادہ درست تو نہ سمجھے لیکن اس کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ حکم اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مماثل ہے۔ یہ شخص بھی پچھلی دونوں اقسام کی طرح کافر ہے اور ملت سے خارج ہو جانے والا ہے۔

رابعا: وہ شخص اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے والے حاکم کے فیصلے کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے سے بہتر سمجھنا تو درکنار اس کے مماثل بھی نہیں سمجھتا، لیکن وہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کے مخالف فیصلہ کرنے والے سے فیصلہ کروانا جائز سمجھتا ہے یہ بھی پہلی قسم کی طرح کافر ہے۔

خامسا: یہ قسم سب سے بڑی اور ان سب کو شامل ہے اور اس میں شریعت کی مخالفت اور اس کے احکام سے معاندت ان سب سے زیادہ ظاہر انداز میں پائی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت اس میں سب سے زیادہ لازم آتی ہے۔

جس طرح شرعی عدالتوں کے مراجع ہوتے ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے تمام امور کو چلاتے ہیں اور وہ قرآن وسنت کے علاوہ کچھ نہیں اسی طرح ان دنیاوی عدالتوں کے بھی کچھ مراجع اور مصادر ہوتے ہیں ۔ان مصادر میں مختلف شریعتوں سے کشید کردہ قوانین، مختلف ملکوں مثلا فرانس، امریکہ اور برطانیہ وغیرہ کے قوانین، کچھ بدعتی قسم کے لوگوں کے مذاہب جو اپنے آپ کو شریعت کی طرف منسوب کرتے ہیں شامل ہوتے ہیں۔

بہت سے اسلامی ملکوں میں اس قسم کی عدالتیں اپنے مکمل ساز و سامان، تیاری اور کھلے دروازوں کے ساتھ موجود ہیں۔لوگ ان کی طرف گروہ در گروہ سمٹے چلے آرہے ہیں۔ان عدالتوں میں بیٹھے ہوئے جج لوگوں کے درمیان اپنے قوانین کے مطابق کتاب وسنت کی مخالفت میں فیصلے کررہے ہیں۔اور عدالت ان فیصلوں کی توثیق کررہی ہے اور انہیں لوگوں پر لاگو کررہی ہے۔بھلا بتایئے کہ اس کفر سے بڑھ کر کون سا کفر ہوسکتا ہے۔اور اس سے بڑھ کر اور کون سی چیز سے محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی کی مخالفت لازم آسکتی ہے۔

سادسا:قبیلوں، برادریوں اور بستیوں وغیرہ کے سردار اپنے اباؤ اجداد کے طور طریقوں اور رسوم ورواج کے مطابق جو فیصلے کرتے ہیں وہ بھی اسی نوع میں شامل ہیں۔یہ لوگ ان فیصلوں کو اپنی بعد والی نسلوں میں بھی منتقل کرتے ہیں اور انہیں بھی انہیں کے مطابق فیصلے کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔وہ جاہلیت کے احکام کو باقی رکھنا اور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلوں سے اعراض کرنا چاہتے ہیں۔(رسالہ تحکیم القوانین)

اس امت کے اکثر حکام کے حالات پر اگر کوئی انصاف اور حق کے ساتھ نظر دوڑائے تو اسے معلوم ہوگا یہ تمام چھ کی چھ اقسام جن میں ہر ایک قسم اس قدر شدید ہے کہ وہ اپنے مرتکب کو کفر کے درجے تک پہنچا سکتی ہے ان حکام میں موجود ہیں اور یہ حکام ان تمام ان تمام اوصاف کے ساتھ متصف ہیں۔مسلمانوں کے حکام میں تو اس سے بڑھ کر ایک خصلت اور بھی موجود ہے کہ یہ اللہ تعالی کی شریعت کو کمتر سمجھتے ہیں اور اسے مذاق کا نشانہ بھی بناتے رہتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ایک آٹھویں خصلت یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالی کی شریعت کو نافذ کرنے کا مطالبہ کرنے والوں پر جنگ مسلط کرتے ہیں اور انہیں اپنے ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہیں۔اس کے باوجود بھی ہم بہت سے علماء کو دیکھتے ہیں کہ وہ کسی لالچ یا خوف کی وجہ سے ان کو کافر قرار دینے میں توقف کئے ہوئے ہیں۔اور ان کے بارے میں ارشاد صادر کرتے ہیں کہ:ان کا کفر کم درجے کا ہے اور یہ کفر اصغر میں مبتلا ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ چھٹی قسم یعنی قبائل کے رسوم ورواج کے مطابق فیصلہ کرنا انہیں کیونکر کفر کے

درجے تک پہنچا سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہوگا یہ لوگ اس چھٹی قسم کے انجام کے سے ضرور دوچار ہونے والے ہیں اور ان پر کفر کی زد پڑتی ہے کیونکہ وہ اس پر خود بھی ڈٹے ہوئے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی ان فیصلوں کو ماننے پر ابھارتے ہیں۔اور یہ سمجھتے ہیں یہ ہمارے قبائلی رسوم ورواج ہیں جن میں کسی کو دخل اندازی کرنے کا کوئی حق نہیں۔یہ لوگ بعض اوقات ان رسوم ورواج اور قوانین کو ایسا ثقافتی اور قومی ورثہ قرار دیتے ہیں جس کی حفاظت کرنا ضروری ہوتا ہے۔یہ بات ذہن میں ہونی چاہیئے کہ کسی چیز کے ساتھ رضامندی اس چیز کا ارتکاب کرنے کے مترادف ہوتی ہے اور کفر کے ساتھ رضامندی بھی کفر ہے۔

5-الشنقیطی:

امام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسا شرعی نظام جو زمین وآسمان کے خالق کی وضع کردہ شریعت کے مخالف ہو اس کے مطابق فیصلہ کرنا خالق ارض وسماء کے ساتھ کفر ہے۔جیسا کہ یہ دعوی کرنا کہ وراثت کے حق میں مرد کو عورت پر جو فضیلت دی گئی ہے یہ انصاف پر مبنی نہیں ہے اس لئے وراثت کے حصوں میں مرد اور عورت دونوں کو یکساں ہونا چاہیئے ،اور یہ دعوی کرنا کہ تعدد ازواج اور طلاق عورت پر ظلم ہے اور اسی طرح رجم، قطع ید اور اس قسم کی دوسری سزاؤں کو وحشیانہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ کسی انسان کے ساتھ ایسا کرنا انسانیت کی توہین ہے یہ سب اس کفر میں شامل ہیں۔

اشرف المخلوقات یعنی انسان کے معاشروں، اس کے مالوں، عزتوں، نسبوں، عقلوں اور ادیان میں اس قسم کے نظام کو لاگو کرنا خالق ارض وسماء کے نظام کے ساتھ کفر ہے۔اور یہ اس آسمانی نظام کے خلاف بغاوت کا اظہار ہے جسے تمام مخلوقات کے خالق نے وضع کیا ہے اور وہ مخلوقات کے مصالح سے بھی خوب باخبر ہے اور اس بات سے بھی بالاتر ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریعت سازی کا استحقاق رکھتا ہو۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ﴾ الشوری:۲۱

کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ کے) شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنہوں نے ایسے احکام دین

مقرر کردیئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ اور اس طرح کی دوسری آیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف فیصلہ کرنے والوں کا فیصلہ ماننے والے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کررہے ہیں۔ کئی دوسری آیات میں بھی اس مفہوم کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے جو شیطان کے طریق پر چلتے ہوئے مردار کو اس دعوی کے ساتھ حلال قرار دیتے ہیں کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبیحہ میں شامل ہے:

﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾ الأنعام:۱۲۱

اور یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ یہ تم سے جدال کریں اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ یہ لوگ شیطان کے پجاریوں کی اطاعت کی وجہ سے مشرک ہو چکے ہیں۔ یہ شرک فی الطاعۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اس کی شریعت کے مخالف دستور وقوانین کی اتباع کرنا بھی شیطان کی عبادت میں شامل ہے:

﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ یس:۶۰

اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول قرار نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اور فرمایا:

﴿إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنَاثاً وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَاناً مَّرِيداً﴾ النساء:۱۱۷

یہ تو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں۔

یعنی وہ صرف شیطان کے پجاری ہیں اور یہ صرف شیطان کے دستور اور قوانین کی اتباع کی بنا پر ہی ہے

۔اسی وجہ سے اللہ تعالی نے ان لوگوں کو اپنے شریک قرار دیا ہے جو لوگوں کے لئے گناہوں کو مزین کر دیتے ہیں اور لوگ ان کی اطاعت کرتے ہوئے ان گناہوں کا ارتکاب شروع کر دیتے ہیں:

﴿وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ﴾الأنعام:۱۳۷

اوراسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کو برباد کریں اور تاکہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں۔

اس بارے میں سب سے صریح ترین دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے سورۃ النساء میں یہ بات واضح فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالی کی شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرواتے ہیں انہیں مومن سمجھنے والوں پر تعجب کا اظہار کرنا چاہیئے ۔یہ اس وجہ سے ہے کیونکہ طاغوت سے فیصلہ کروانے کی خواہش کے ساتھ ان کا ایمان کا دعوی کرنا انتہا درجے کے جھوٹ پر مبنی ہے جس پر تعجب کا اظہار ہی کیا جا سکتا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ﴾النساء:٦٠

لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں۔

مذکورہ آسمانی دلائل سے یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے کہ جو لوگ شیطان کے وضع کردہ قوانین پر چلتے ہیں ان کے کافر اور مشرک ہونے میں صرف وہی آدمی شک کر سکتا ہے جس سے اللہ تعالی نے بصیرت کو چھین لیا ہو اور اسے وحی کے نور سے محروم کر دیا ہو۔(أضواء البیان:۸۳/۴-۸۴)

6- عبدالعزیز بن بازؒ:

شیخ فرماتے ہیں: جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ لوگوں کے احکام وآراء اللہ تعالی کے احکام سے بہتر ہیں یا ان کے ہم مثل یا مشابہ ہیں، یا وہ شخص اللہ تعالی کے احکام کو چھوڑ کر انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو ان کے قائم مقام قرار دیتا ہے اس کا کوئی ایمان نہیں۔اگرچہ اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالی کے احکام بہترین، زیادہ مکمل اور درست ہیں۔

اور فرماتے ہیں: جو اللہ تعالیٰ کا مطیع فرمان ہو اور اس کی وحی کے مطابق فیصلہ کروائے وہی اس کا عبادت گذار ہے۔ اور جو کسی غیر کا مطیع ہو جائے اور اس کی شریعت کے مطابق فیصلے کروائے وہ طاغوت کا عبادت گذار اور اس کا مطیع بن جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ﴾ النساء:٦٠

لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں۔

کلمہء شہادت لا الہ إلا اللہ محمد الرسول اللہ جس کا ہم اقرار کرتے ہیں اس کے تقاضوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ طاغوت کی بندگی اور اس سے فیصلہ کروانے کا انکار بھی کیا جائے۔ (رسالۃ وجوب تحکیم شرع اللہ)

دیکھئے! شیخ نے کس خوبی کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کو چھوڑ کر انسانوں کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرنے سے ہی انسان کے ایمان کی مطلقا نفی ہو جاتی ہے۔ اگر چہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے حکم کے بارے میں درست عقیدے کا دعویدار ہو جیسا کہ موجودہ دور میں ہمارے اکثر قانونی اداروں کی حالت زار ہے۔

7- سید قطبؒ:

سید صاحبؒ فرماتے ہیں: حکام اگر مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی شریعت پر قائم ہیں تو وہ دائرہ ایمان میں ہیں اور اگر وہ کسی دوسری ایسی شریعت پر قائم ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تو وہ کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔

عام لوگ اگر اپنے معاملات کے بارے میں ان حکام اور قاضیوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے فیصلے کو قبول کریں تو وہ مومن ہیں ورنہ وہ مومن نہیں ہیں۔ یہ ایک ایسا طریق ہے جس میں کوئی درمیانی راہ نہیں، اور نہ ہی کوئی حجت، معذرت یا دلیل ہی اس بارے میں قبول کی جائے گی۔

بندوں میں سے کسی کے لئے یہ درست نہیں وہ یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کا انکار کرتا ہوں یا میں

اللہ تعالی سے بھی زیادہ بندوں کی مصلحت کو جاننے والا ہوں۔اگر اس نے زبانی یا عملی طور پر یہ بات کہی تو وہ دائرہ ایمان سے خارج ہوجائے گا۔کیونکہ اللہ تعالی پر ایمان لانا اور اس کی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرنا یا اس کے کسی فیصلے پر عدم رضا کا اظہار کرنا دونوں کا ایک دل میں جمع ہوجانا ممکن نہیں۔

جو لوگ اپنے یا کسی غیر کے بارے میں اس خیال میں مبتلا ہیں کہ وہ مومن ہیں پھر وہ اپنی زندگی میں اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے یا جب شریعت کے احکام ان پر لاگو کئے جائیں تو اس پر خوشی کا اظہار نہیں کرتے ،ایسے لوگوں کا ایمان کا دعوی بالکل جھوٹا ہے۔ان پر یہ دلیل قاطع بالکل درست آتی ہے:﴿وَمَا أُولَـئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾

جس شخص کا یہ نظریہ ہو: کہ انسانیت اس وقت دن بدن ترقی کی منازل طے کررہی ہے اور اسے کتاب اللہ میں اپنی تمام حاجات وضروریات کا حل نہیں ملتا،ایسے شخص کو یہ نظریہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا اعلان بھی کردینا چاہیئے کہ وہ نعوذ باللہ اس دین کے ساتھ کفر کرنے والا اور اللہ رب العالمین کے فرمان کو جھٹلانے والا ہے۔

اس معاملے کی وضاحت اللہ تعالی کے اس فرمان سے ہوجاتی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لاَ يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾

اے رسول! آپ ان لوگوں کے پیچھے نہ کڑھیے جو کفر میں سبقت کررہے ہیں۔

اس طرح یہ معاملہ بالکل ہی واضح ہوجاتا ہے کہ الہ ایک ہے، مالک ایک ہے، حاکم ایک ہے، شریعت ساز ایک ہے اور تصرف کرنے والا بھی ایک ہے۔اسی طرح شریعت ایک ہے، منہج ایک ہے اور قانون بھی ایک ہے۔اطاعت،فرمانبرداری اور اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ سازی اسلام ہے اور نافرمانی اور اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنا کفر،ظلم اور نافرمانی ہے۔

وہ شخص ایسا نظریہ نہیں رکھ سکتا جو اللہ تعالی کی شریعت کو عام زندگی کے معاملات سے علیحدہ کردے اور اسے جاہلی رسوم ورواج اور قوانین کے ساتھ تبدیل کردے۔یا وہ اپنی خواہشات کو یا کسی قوم یا انسانی نسل کی خواہشات کو اللہ تعالی کے حکم اور اس کی شریعت سے بالاتر سمجھتا ہو۔

خاص طور پر ایک مسلمان یہ نظریہ نہیں رکھ سکتا۔ مجبوریاں؟ تہذیب وثقافت؟ لوگوں کی رغبت کا نہ ہونا؟ دشمنوں کا خوف؟ کیا یہ تمام امور اس وقت اللہ تعالی کے علم میں نہیں تھے جب وہ مسلمانوں کو اپنے درمیان شریعت کے قیام اور انہیں اپنے منہج پر چلنے کا حکم دے رہا تھا اور انہیں اپنی نازل کردہ شریعت کے بارے میں فتنے سے بچنے کا حکم دے رہا تھا؟

اچانک رونما ہونے والے واقعات، جدید مسائل اور تیزی سے تبدیل ہونے والے حالات کے بارے شریعت کے پاس مکمل راہنمائی کا موجود نہ ہونا، کیا یہ تمام امور اللہ تعالی کے علم میں نہیں تھے، حالانکہ وہ اس دین کو اختیار کرنے اور اس کی مخالفت ترک کرنے کا سختی سے حکم دے رہا ہے؟

غیر مسلم جو چاہیں کہتے پھریں لیکن مسلمان اور اسلام کا دعوی کرنے والوں کے بارے میں ہرگز یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ یہ بات بھی کہیں اور پھر ان کا اسلام بھی باقی رہ جائے یا وہ اسلام پر باقی رہ سکیں۔ یہ ایک ایسا نظریہ ہے جو راستوں کو جدا کردینے والا ہے اس میں کسی قسم کا کوئی افہام وتفہیم نہیں ہوسکتا۔ یا اسلام ہے یا جاہلیت ہے، ایمان ہے یا کفر ہے، اللہ تعالی کا حکم ہے یا جاہلیت کا حکم ہے۔

مجرد اس بات کا اعتراف کہ اللہ تعالی کی شریعت، منہج یا حکم کو چھوڑ کر کسی دوسری شریعت، منہج یا حکم کو بھی کوئی وقعت حاصل ہے انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کردینے کا سبب بن سکتا ہے۔ اسلام صرف اسی بات کا نام ہے کہ شریعت سازی کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی ہی کو دیا جائے۔ (طریق الدعوۃ فی ظلال القرآن: ۲/۵۲، ۱۷۳، ۱۸۹، ۱۹۶)

8- محمد حامد الفقی:

شیخ رحمہ اللہ ابن کثیرؒ کے اس کلام پر جو انہوں نے تاتاریوں کے قوانین کے بارے میں ﴿أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ﴾ کے تحت ذکر کیا ہے اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جو شخص قتل، زناکاری یا چوری وغیرہ کے مقدمات میں فرنگیوں کے قوانین کے ذریعے فیصلے کرتا ہے اور ان قوانین کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر مقدم کرتا ہے وہ بھی تاتاریوں جیسا ہے بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔ ایسا شخص اگر اسی طریقے پر ڈٹا رہے اور اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا راستہ اختیار نہ کرے تو وہ بلاشک و

شبہ کافر اور مرتد ہے۔اسے نہ تو مسلمانوں کا کوئی نام فائدہ دے سکتا اور نہ ہی ظاہری اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ کا اسے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔(حاشیہ فتح المجید، صفحہ:۳۹۶)

اس مسئلہ کے بارے میں جو راہ حق اختیار کرنا چاہتا ہے اس کے لئے بڑے بڑے اہل علم کے ان اقوال میں کافی راہنمائی موجود ہے۔البتہ جسے اللہ تعالی نے نور بصیرت اور بصارت سے محروم کر رکھا ہو اور وہ نص یا کسی معتبر عالم کے قول کی طرف توجہ کرنے کی بجائے اپنی نفسانی خواہشات پر چلنے کو ترجیح دے ان کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان پر اللہ تعالی کا یہ فرمان صادق آتا ہے:

﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعاً وَأَبْصَاراً وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُم مِّن شَيْءٍ ﴾الأحقاف:۲۶

ہم نے انہیں کان آنکھیں اور دل بھی دے رکھے تھے۔لیکن ان کے کانوں اور آنکھوں اور دلوں نے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا۔

اور فرمایا:

﴿أَتُرِيدُونَ أَن تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللّهُ وَمَن يُضْلِلِ اللّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلا﴾النساء:۸۸

اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ تعالی کے گمراہ کئے ہوؤں کو تم راہ راست پر لا کھڑا کرو، جسے اللہ تعالی راہ بھلا دے تو ہرگز اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔

سورۃ المائدہ میں وارد ہونے والی آیات کی تفسیر:

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾المائدہ:۴۴

جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ (پورے اور پختہ) کافر ہیں۔

اور فرمایا:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾المائدہ:۴۵

اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کریں، وہی لوگ ظالم ہیں۔

اور فرمایا:

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ المائدہ:۴۷

اور جو اللہ تعالی کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ کریں وہ (بدکار) فاسق ہیں۔

ابن عباسؓ کا قول ہے: یہ آیات اللہ تعالی نے یہودیوں کے دوگروہوں کے بارے میں نازل فرمائی تھیں۔اللہ تعالی نے یہ آیات انہیں کے بارے میں نازل فرمائیں اور وہی اللہ تعالی کا مقصود تھے۔(صحیح سنن ابوداؤد حدیث نمبر ۳۰۵۳ میں مذکور ہے: ابن عباسؓ سے روایت ہے: کہ ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾)

یہ تین آیات یہود خاص طور پر بنوقریظہ اور بنونضیر کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔

اور فرماتے ہیں: جس نے اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کا انکار کیا وہ کافر ہے۔براء بن عازب، حذیفہ بن الیمان، ابن عباس رض اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ کرام اور أبومجلز، أبورجاء العطاری، عکرمہ، عبیداللہ بن عبداللہ اور حسن بصری رحمہم اللہ جیسے کبار تابعین سے مروی ہے کہ اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا ہم سب پر واجب اور ضروری ہے۔ابراہیم سے روایت ہے کہ: یہ آیات بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئیں، امت محمدیہ پر اللہ تعالی کی خوشنودی نازل ہو۔

ابن جریر طبریؒ نے جس مسلک کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ ان آیات سے مراد اہل کتاب ہیں یا اس امت کے وہ لوگ جو کتاب اللہ میں نازل شدہ اللہ تعالی کے احکام کا انکار کرتے ہیں۔(تفسیر ابن کثیر)

گذشتہ تمام عبارات سے ان امور کی وضاحت ہوتی ہے:

1- یہ آیات اہل کتاب کے کافروں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔اس کے ساتھ ساتھ یہ ان کے علاوہ ان لوگوں کو بھی شامل ہیں جو اللہ تعالی کے حکم کا انکار کردیں۔

2- جب ان آیات کا اطلاق کردیا جائے گا تو اس سے مراد کفر اکبر، فسق اکبر اور ظلم اکبر ہوگا۔کیونکہ یہ آیات اہل کتاب اور اللہ تعالی کا انکار کرنے والے دوسرے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ایسا نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر مشائخ ارجاء کا طریق کار ہوتا ہے کہ وہ ان آیات کو مجرد سننے کے

ساتھ ہی اس بات پر محمول کر دیتے ہیں کہ ان سے مراد کم درجے کا کفر ہے، کم درجے کا ظلم ہے اور کم درجے کا فسق ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریق اور مسلک کو تقویت پہنچانے کے لئے ابن عباسؓ کے قول کو وسیلہ بناتے ہیں۔ابن عباسؓ کا قول اپنی جگہ درست ہے لیکن یہ لوگ اس کے ذریعے باطل کو حق اور حق کو باطل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس قول کو اس کے حقیقی مقام سے ہٹا دیتے ہیں اور اس کو ایسے معانی پر محمول کرتے ہیں جن کا وہ متحمل نہیں ہے۔

3- مسلمانوں پر اگر ان آیات کو محمول کیا جائے تو ان کے حالات کو دیکھا جائے گا۔ اگر وہ اللہ تعالی کے حکم کا انکار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالی کی شریعت کے نفاذ کی دعوت دینے والوں سے جنگ کرنے والے ہیں، اور ایسی شریعت کو لاگو کرنے والے ہیں جو اللہ تعالی کی شریعت کی مخالف ہے اور انہوں نے اللہ تعالی کے حکم کو طاغوت کے حکم کے ساتھ تبدیل کر دیا ہے۔ ان لوگوں پر کفر اکبر، ظلم اکبر اور فسق اکبر کا اطلاق ہوگا جو کہ ملت سے خارج کر دینے کا باعث ہیں۔ اگر چہ وہ اپنی زبان سے اس بات کا اقرار نہ بھی کریں کہ وہ اللہ تعالی کے حکم سے انکاری ہیں کیونکہ وہ عملی طور پر تو اس کا اقرار کر ہی رہے ہیں۔ اور کسی بات کا عملی مظاہرہ زبانی دعوی سے زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔اور یہ عملی مظاہرہ ان کے کفر کی ایک زبردست دلیل ہے۔ اگر مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے والے ہیں، اور ان کی طرف سے قولی اور عملی تمام قسم کے مظاہر موجود ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالی کی شریعت سے محبت کرتے ہیں، اس کے ساتھ خوش ہیں اور اس کے شدید خواہش مند ہیں، اور وہ اس شریعت کے نفاذ کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ کسی ایک مسئلہ میں یا بعض مسائل میں اپنی خواہشات کی وجہ سے یا کسی کمزوری یا غلط تاویل کی وجہ سے شریعت کے فیصلے سے ہٹ جاتے ہیں اور اس کوتاہی کا انہیں اعتراف بھی ہوتا ہے اور اس کے گناہ کا شعور بھی ہوتا ہے۔اس قسم کے لوگوں پر ابن عباسؓ کے مذکورہ قول کا اطلاق ہوسکتا ہے: یہ کم درجے کا کفر ہے اور یہ کم درجے کا ظلم ہے۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنا کفر اصغر اور کفر اکبر دونوں کو شامل ہے

اس میں فیصلہ کرنے والے کے حالات اور اس کی نیت کو دیکھا جائے گا۔اگر حاکم اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے اور اس نے اس سے ہٹ کر گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور وہ اس بات کا اعتراف بھی کرتا ہے کہ اس بات پر وہ سزا کا مستحق ہو چکا ہے تو یہ کفر اصغر ہوگا۔(غور کیجئے! کیا موجودہ زمانے کے حکام کی یہ حالت ہے جس بنا پر ان پر کم درجے کے کفر اور کفر اصغر کا اطلاق کیا جائے۔؟

شیخ نے حاکم کو صرف ایک خاص مسئلے میں شریعت سے ہٹ جانے کے ساتھ متصف کیا ہے۔شیخ اور نہ کسی دوسرے اہل علم کے ذہن میں یہ بات آئی کہ وہ حاکم کے بارے یہ بات فرض کرلیں کہ وہ کلی طور پر اللہ تعالی کی شریعت سے ہٹ جاتا ہے اور اپنی وضع کردہ یا طواغیت میں سے کسی دوسرے کی وضع کردہ شریعت کے ساتھ اسے تبدیل کر دیتا ہے اور پھر بھی اس پر کم درجے کے کفر یا کفر اصغر کو محمول کیا جائے۔جیسا کہ موجودہ دور میں مرجئہ کے طریق پر چلنے والے اکثر لوگ ایسا کرتے ہیں۔)

اگر اس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں اور اس بارے میں وہ بااختیار ہے تو یہ کفر اکبر ہوگا۔(بدائع التفسیر:۲/۱۱۲)

4-ایک طرف تو ابن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ یہ آیات اہل کتاب کے کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور جو کوئی اللہ تعالی کے حکم کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے۔پھر دیکھنا یہ ہے ان کے اس قول: ''کم درجے کا کفر'' اور ''ایسا کفر جو ملت سے خارج کرنے والا نہیں'' سے کون لوگ مراد ہیں؟

ابن عباسؓ کے مذکورہ قول کو اگر مکمل گہرائی سے دیکھا جائے اور اس کے سیاق وسباق پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابن عباسؓ نے اس قول سے اپنے زمانے کے وہ مسلمان حکام مراد لئے ہیں جن کا تعلق بنوامیہ سے تھا۔ان کی طرف سے عملی طور پر کوئی ایسے قرائن نہیں دیکھے گئے کہ جن سے اللہ تعالی کی شریعت کا انکار یا اس کی اہانت لازم آتی ہو۔وہ لوگوں کی عمومی زندگی میں شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔چونکہ اللہ تعالی کی شریعت کے ذریعے فیصلہ کرنے سے انحراف بھی بنوامیہ کے دور میں ہی شروع ہوا تھا اسی کے بارے میں ابن عباسؓ سے پوچھا گیا تو انہوں نے مذکور قول ارشاد فرمایا تھا۔نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے فرمان کے ذریعے اس کی طرف اشارہ فرمایا تھا: دین سے جو سب سے

پہلی بات مفقود ہوگی وہ اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا ہی ہوگا۔اور فرمایا: سب سے پہلے جو میری سنت تبدیل کرے گا وہ بنوامیہ کا ایک آدمی ہوگا۔(السلسلۃ الصحیحۃ : حدیث نمبر: ۱۷۴۹۔ناصرالدین البانی فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ اس حدیث سے خلیفہ کی تعیین کے نظام کی تبدیلی مراد لی گئی ہو، چونکہ اسے شورائیت سے وراثت میں تبدیل کردیا گیا تھا۔) یعنی خلیفہ کے اختیار کے سلسلے میں وہ نبی کریم ﷺ کی سنت کو تبدیل کرکے اسے ایک وراثتی نظام میں تبدیل کردے گا۔اس کے باوجود معاویہؓ اوران کی اولاد کے اسلام کے بارے کسی کو کوئی شک نہیں اور نہ ہی کسی نے ان پر کفر کا فتوی لگایا ہے۔

اس لئے یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ ابن عباسؓ کا ایسا قول جوانہوں نے خاص بنوامیہ کے حکمرانوں کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا اسے موجودہ دور کے ان حکام پر لاگو کردیا جائے جنہوں نے قولی اور فعلی طور پر اللہ تعالی کی شریعت کے بغیر فیصلہ کرنے کو حلال سمجھ لیا ہے اور ان میں تمام نواقض ایمان جمع ہوچکے ہیں۔(شیخ محمد قطب اپنی کتاب ''واقعنا المعاصر''میں رقمطراز ہیں: ابن عباسؓ کا جوقول ذکر کیا گیا ہے یہ دراصل ایک سوال کا جواب ہے۔ان سے اموی حکمرانوں کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ اللہ تعالی کے قانون کے بغیر فیصلہ کرتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آج تک کسی نے بھی امویوں کے بارے میں مطلقا کفر کا فتوی نہیں دیا کیونکہ وہ لوگوں کی عمومی زندگی میں شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔لیکن وہ اپنی بادشاہت کے متعلقہ بعض امور میں غلط تاویل یا نفسانی خواہشات کے غلبہ کی وجہ سے شریعت سے ہٹ جاتے تھے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے وضع کردہ قوانین کو شریعت کا رنگ دے کر اللہ تعالی کی شریعت کی مخالفت مول نہیں لیتے تھے۔ان کے بارے میں ابن عباسؓ نے فرمایا تھا: یہ کم درجے کا کفر ہے۔آپ خود غور کیجئے! بھلا ابن عباسؓ کے لئے یہ ممکن تھا کہ وہ یہ مقولہ ایسے شخص کے بارے میں ارشاد فرماتے جو بالکل ہی شریعت سے ہٹ جائے اور اس کی جگہ انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو رائج کردے؟)

6-اللہ تعالی کے علاوہ کوئی دوسرا شریعت ساز:

شریعت ساز قوانین نافذ کرنے والے حاکم سے مختلف ہوتا ہے۔موجودہ دور میں انہیں قانون ساز اداروں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ان کا قانون نافذ کرنے والے اداروں سے ایک گہرا تعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ جوقوانین اور دستور یہ ادارہ وضع کرتا ہے قانون نافذ کرنے والے ادارے ان قوانین کو لاگو کرنے

اور منوانے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

اللہ تعالی کے علاوہ قانون ساز ایک شخص بھی ہوسکتا ہے، ایک ادارہ، جماعت یا اسمبلی بھی ہوسکتی ہے جو کہ بہت سے قانون سازوں سے ملکر بنتی ہے۔ یا اس سے مراد وہ عالم، صوفی اور مشائخ وغیرہ بھی ہوسکتے ہیں جو اپنے اوپر دینی کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس بارے میں عمومی طور پر یہ بات کہی جائے گی کہ: جو شخص شریعت سازی یعنی کسی چیز کو حلال یا حرام یا اچھا یا برا قرار دینا اس کا اختیار اللہ تعالی کو چھوڑ کر اپنے لئے خاص کر لیتا ہے، اور وہ اپنے نظریے اور خواہش کے مطابق لوگوں کے لئے شریعت بنانا شروع کر دیتا ہے، ایسا شخص طاغوت ہے اس نے اپنے نفس کو اللہ تعالی کا شریک بنا لیا۔ اسے کافر قرار دینا اور اس کا انکار کرنا واجب اور ضروری ہے۔

ارشاد ربانی: ﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ﴾ میں ایسا طاغوت بھی شامل ہے جس کے وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ کر کے اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ اسی طرح اس کے لئے شریعت سازی کا حق تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کی اطاعت بھی کی جاتی ہے حالانکہ یہ تمام صرف اللہ تعالی کی خصوصیات ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ مخلوقات میں سے جس کسی نے اس کے لئے اس حق کا اعتراف کیا اور اس کے صادر کردہ احکام اور قوانین کے مطابق فیصلہ کروایا اس نے اس کے لئے الوہیت اور ربوبیت کا اقرار کر لیا۔ اور اسے اللہ تعالی کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک خصوصیت میں اس کا شریک بنا دیا۔ اگر چہ وہ شخص نماز پڑھتا ہو، روزے رکھتا ہو اور سمجھتا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔ ارشاد ربانی: ﴿اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ﴾ بھی اسی حکم کو شامل ہے۔

7- انسانوں کے وضع کردہ قوانین:

اللہ تعالی کی شریعت کی مخالفت میں وضع کردہ قوانین بھی بذات خود طاغوت ہیں۔ ارشاد ربانی: ﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ﴾ سے یہی مفہوم مراد ہے۔

طاغوت کی تعریف کے ضمن میں پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ بعض اہل علم نے اللہ تعالی کی شریعت کی

مخالفت میں وضع کردہ قوانین ودساتیر کو طاغوت کے مفہوم میں داخل کیا ہے۔اوران پر طاغوت کے اسم اورطغیان کی صفت کا اطلاق کیا ہے۔(اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والإفتاء کے فتاوی میں ۵۴۲/۱ پر یہ بات مذکور ہے: آیت ﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ﴾ میں طاغوت سے مراد: ہروہ چیز ہے جس سے کتاب وسنت سے ہٹ کر فیصلہ کروایا جائے خواہ اس کا تعلق انسانوں کے وضع کردہ قوانین ودساتیر سے ہو یا نسل درنسل چلنے والے رسوم ورواج سے ہو یا پھر قبائل کے وہ سردار جولوگوں کے درمیان قرآن وسنت سے ہٹ کر رسوم رواج کے ذریعے فیصلے کرتے ہیں۔اس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ ہروہ قانون جو اس لئے بنایا جاتا ہے کہ شریعت سے ہٹ کر اس کے ساتھ فیصلہ کیا جائے وہ طاغوت کے مفہوم میں داخل ہے۔)

طاغوت کی اس قسم میں انسانوں کے بنائے ہوئے وہ قوانین اور دستور بھی شامل ہیں جنہیں ملکوں، معاشروں اورلوگوں پر نافذ کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔طاغوت کے پجاریوں کے ہاں یہ قوانین ایک مقدس دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔وہ ان کی ہر ہر شق کو نافذ کرتے ہیں۔ان لوگوں کے ہاں دستوراورقانون ہر چیز سے بالاتر ہےاورکوئی چیز بھی قانون اوردستور سے بالاتر نہیں ہوسکتی۔

قانون اوردستور کا لوگوں کے دلوں پر ایک خاص رعب ہوتا ہے اس لئے وہ ہر چیز سے خروج برداشت کرسکتے ہیں اور ہر چیز پر تنقید کرسکتے ہیں لیکن قانون اوردستور کے دائرے سے نکلنا ان کے لئے بہت محال ہوتا ہےاوروہ تنقید سے بالاتر ہوتا ہے۔حالانکہ یہ دستور بھی طاغوت ہےاوراسے بنانے والے بھی طاغوت کے زمرے میں آتے ہیں۔تباہی وبربادی ہےان لوگوں کے لئے جو دستور کو اس قدر تقدس اور احترام کا درجہ دیتے ہیں۔

ایسی کتابیں جو کفر کی ترویج اوراس کی طرف دعوت دینے کا سبب ہیں وہ بھی طاغوت کی اس قسم میں شامل ہیں۔خاص طور پر وہ کتابیں جو لادین اور کافر گروہوں کے منہج اوردین کی مبادیات پر مشتمل ہوتی ہیں اورجو کتابیں ان جماعتوں کے لئے اہم مراجع ومصادر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

جو کتاب کفر وشرک کی دعوت پر مبنی ہو وہ ایک ایسا بت ہے جو ہمیشہ اپنا جال پھیلائے رکھتا ہےاوراس انتظار میں رہتا ہے کہ کوئی اس کے پھندے میں پھنسے اوراس کی تعلیمات کے مطابق عمل کرے۔(جو لوگ کتابوں کی نشرواشاعت کے شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں بالخصوص وہ لوگ جو اسلامی ناموں کے ساتھ مکتبے چلارہے

ہیں انہیں ایسی کتابیں بالکل نہیں چھاپنی چاہییں جو کفر وشرک کے نظریات پر مشتمل ہوں، کیونکہ برائی کی طرف راہنمائی کرنے والا بھی برائی کرنے والے کے مترادف ہے۔اس شعبے کے ساتھ وابستہ اکثر لوگوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ تھوڑے سے مادی فائدے کی خاطر اس بارے میں سستی کا شکار ہو جاتے ہیں۔)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ: طاغوت تو وہ ہوتا ہے جس کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جائے، سابقہ بحث کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس میں قوانین کی عبادت کس بات میں پوشیدہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ بات بالکل واضح ہے کہ قانون کی عبادت اس کے مطابق فیصلہ کروانے اور اس کی بات ماننے میں پوشیدہ ہے، کیونکہ بغیر کسی ردوبدل اور اعتراض کے قانون کی بات مانی جاتی ہے۔ یہ تمام باتیں لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے عبادت کے مفہوم میں داخل ہیں جنہیں اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کی طرف نہیں پھیرا جا سکتا۔

8- جسے اللہ تعالی کے علاوہ ذاتی طور پر محبوب سمجھا جائے:

یہ بات پہلے بھی گذر چکی ہے کہ جسے اللہ تعالی کے علاوہ ذاتی طور پر محبوب سمجھا جائے وہ ولاء والبراء کے اعتبار سے معبود کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ پھر اسی کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے اور اسی کی خاطر دشمنی رکھی جاتی ہے اور اس بارے میں حق یا باطل کو نہیں پرکھا جاتا۔

ایسا شخص طاغوت بن جاتا ہے کیونکہ اسے ایسی چیز میں اللہ تعالی کا شریک بنا لیا گیا ہے جو خالص اللہ تعالی کا حق ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّهِ أَندَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّهِ﴾ البقرة:١٦٥

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیئے۔

شرک اور سرکشی کی اس قسم کے بارے میں پہلے تفصیل کے ساتھ دلائل کا ذکر ہو چکا ہے۔

ان سطور میں جس بات کی طرف ہم اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ جس سے اللہ تعالی کے علاوہ ذاتی طور پر محبت کی جائے وہ طاغوت ہوتا ہے اور یہ مختلف شکل وصورت کا حامل ہو سکتا ہے۔کبھی یہ حاکم یا شیخ یا جماعت کے لیڈر کی شکل میں ہوتا ہے، کبھی یہ وطن، قوم، قبیلہ، عورت یا مال (نبی کریم ﷺ کے فرمان:

''درہم کا بندہ تباہ ہوگیا'' پرغور کیجئے! اس شخص کو مال کا بندہ یا غلام اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ اس نے اسی کو اپنی زندگی کا محور ومقصد بنالیا ہے، اور یہی لوگوں کے ساتھ اس کے تعلقات کی بنیاد ہے۔ مال کو بڑھانے یا نفع حاصل کرنے کے طریقے ڈھونڈنے کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا مقصد نہیں۔ جس سے کوئی مادی فائدہ ملنے کی امید ہو اس کے آگے پیچھے بچھ جاتا ہے اور جب ان سے وہ فائدہ ملنے کی امید ختم ہوجائے تو پھر تعلقات بھی ختم ہوجاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے فرمان سے آپ کا یہی مفہوم مراد ہے: ''جو شخص ہمیشہ مال کو بڑھانے کی تگ ودو میں لگا رہتا ہے وہ طاغوت کے راستے میں ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے: وہ شیطان کے راستے میں ہے'' السلسلۃ الصحیحۃ: ۲۲۳۲)

کی شکل میں ہوتا ہے اور کبھی شراب یا اس جیسی دوسری نشہ آور چیزوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ (یہ بات آپ کو اس وقت سمجھ آئے گی جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ شراب نوش شراب کے صرف ایک گھونٹ کو حاصل کرنے کے لئے کبھی اپنی ہر چیز کو بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ یہ اسی کی بنا پر دوستی رکھتے ہیں اور اسی کی بنا پر دشمنی کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی تو اس کی خاطر کسی کی جان لینے سے بھی نہیں چوکتے۔ نبی کریم ﷺ کے فرمان کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جائے گا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمیشہ شراب نوشی کرنے والا اگر اسی حالت میں مرگیا تو اللہ تعالی سے اس کی ملاقات اس حالت میں ہوگی جس طرح کسی بت کے پجاری کی ہوگی۔ أحمد، السلسلۃ الصحیحۃ: ۶۷۷، اور فرمایا: اگر وہ اپنی شراب نوشی کی حالت میں ہی فوت ہوگیا، اور فرمایا: شراب نوشی کرنے والا جنت میں نہیں داخل ہوگا۔ صحیح ابن حبان، السلسلۃ الصحیحۃ: ۶۷۸)

ہر وہ چیز جس کی بنیاد پر دوستی اور دشمنی کو قائم کیا جائے وہ اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ اور اس پر طاغوت کے نام کا اطلاق ہوگا۔

9- اللہ تعالی کے علاوہ جس کی ذاتی طور پر اطاعت کی جائے:

اللہ تعالی کے علاوہ جس کی ذاتی طور پر اطاعت کی جائے وہ بھی طاغوت ہے۔ اس کی عبادت اس کی اطاعت میں پوشیدہ ہے کیونکہ یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ جن امور میں اس کی اطاعت کی جارہی ہے وہ حق ہے یا باطل۔ اس کی ہر بات کو بغیر کسی اعتراض اور تردید کے مان لیا جاتا ہے اس بات سے قطع نظر کہ وہ بات حق کے موافق ہے یا نہیں۔ طاغوت کی عبادت کی یہ ایسی قسم ہے جس میں اکثر لوگ دانستہ اور نادانستہ طور پر مبتلا ہوتے ہیں۔

اللہ تعالی کے علاوہ جس کی ذاتی طور پر عبادت کی جارہی ہوتی ہے وہ کوئی حاکم بھی ہوسکتا ہے، کسی قبیلے،

گروہ، جماعت یا لشکر کا سردار بھی ہوسکتا ہے یا عیسائیوں کے پاپ کی طرح کا کوئی شخص بھی ہوسکتا ہے۔

10-وطن اور وطن پرستی:

وطن اس وقت طاغوت کے مفہوم میں داخل ہوگا اور اللہ تعالی کے علاوہ الہ بن جائے گا جب وطن اور اس کی حدود کی طرف نسبت کی وجہ سے ولاء والبراء کو قائم کیا جائے۔اور اسی کی بنیاد پر تمام حقوق اور واجبات کو تقسیم کیا جائے۔اس کی صورت یہ ہو کہ جو کوئی اس وطن کی طرف منسوب ہے اور اس کی حدود میں رہنے والا ہے اگر چہ وہ سب سے بڑا کافر کیوں نہ ہو اسے تمام حقوق اور سہولیات ملیں گی۔اور جو کوئی سکونت اور شہریت کے اعتبار سے اس وطن کا باشندہ نہ ہو اسے وہ حقوق اور سہولیات کبھی نہیں مل سکتیں جو وہ کافر حاصل کر رہا ہے اگر چہ یہ زمین کا سب سے زیادہ متقی اور افضل ترین انسان ہی کیوں نہ ہو۔

اس کی ایک صورت ملکی وحدت کی صورت میں ہے جس کا نعرہ اکثر طواغیت اور دھوکے کا شکار عام انسانوں کی زبانی سننے میں آتا رہتا ہے۔اس نعرے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تمام جماعتیں جن میں اچھی اور بری سبھی شامل ہیں مل کر ملک کو درپیش مشکلات کا مقابلہ کریں۔ان کی تمام کوششوں کا محور و مقصد وطن ہی ہو اور ان کی تمام کوششیں اسی کے لئے صرف ہونی چاہئیں۔

اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والإفتاء کے فتاوی میں یہ بات مذکور ہے: جو شخص یہودیوں،عیسائیوں،تمام کافروں اور مسلمانوں کے درمیان صرف وطن کا ہی فرق رکھتا ہے اور ان کے احکام ایک جیسے سمجھتا ہے وہ شخص کافر ہے۔(سوال نمبر۳،فتوی نمبر،۶۳۱۰:۱/۱۴۵)

اس شخص کے کافر ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس نے الولاء والبراء میں وطن کو اللہ تعالی کا شریک بنا دیا،اور اس بارے میں عقیدہ و دین کے بجائے وطن اور مٹی کو معتبر سمجھا۔بہت سے شرعی دلائل اس عقیدے اور نظریے کا رد پیش کرتے ہیں کیونکہ ان دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ الولاء والبراء کے لئے دین اور عقیدہ کو معیار بنانا واجب ہے۔

لوگوں نے وطن کی تعظیم اور اس کو الہ ثابت کرنے میں اس قدر غلو سے کام لیا کہ ملکی نظام تعلیم اور میڈیا کے ذریعے سے قوم کی تربیت اس طرح کی کہ وہ اپنے ہر عمل کی غرض و غایت وطن ہی کو قرار دیں۔وہ

وطن کے لئے جہاد کرتے ہیں، وطن کے لئے عطیات دیتے ہیں، وطن کے لئے جان قربان کرتے ہیں اور اسی طرح دوستی اور دشمنی بھی صرف وطن کے لئے ہی روا رکھتے ہیں۔ اور اس طرح ہر وہ کام جو صرف اللہ تعالی کے راستے میں اس کی رضا مندی کے حصول کے لئے کیا جانا چاہیئے اسے وہ صرف اور صرف وطن کی خاطر انجام دیتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے: ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ: ایک شخص غنیمت کے حصول کے لئے لڑتا ہے، ایک شخص شہرت کے لئے لڑتا ہے اور ایک شخص اپنا آپ دکھانے کے لئے لڑتا ہے ان سب میں اللہ تعالی کے راستے میں کون ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالی کے کلمے کی سربلندی کے لئے قتال کرے وہ اللہ تعالی کے راستے میں ہے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ بیان حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی شرعی طور پر صرف وہی قتال محبوب اور قابل قبول ہے جس کا مقصد صرف اور صرف زمین میں اللہ تعالی کے کلمے کی سربلندی ہو۔ اس کے علاوہ تمام لڑائیاں جھوٹی ہیں کیونکہ ان کی غرض و غایت بھی جھوٹ پر مبنی ہوتی ہے۔ اس لئے یہ طاغوت کے راستے کے قتال شمار ہوں گے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ﴾

النساء:٧٦

جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے، وہ اللہ تعالی کے سوا اوروں کی راہ میں لڑتے ہیں۔

قتال کی دو ہی قسمیں ہیں تیسری کوئی قسم نہیں۔ یا تو اللہ تعالی کے راستے کا قتال ہے یا پھر طاغوت کے راستے کا قتال ہے۔ یہ دونوں بالکل واضح ہیں ان میں کسی قسم کے خلط ملط ہونے یا الجھاؤ کا کوئی شائبہ نہیں۔ ہر وہ قتال جو اللہ تعالی کے راستے میں نہیں ہے وہ طاغوت کے راستے کا قتال ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ دو متضاد امور ہیں ایک طرف تو یہ ہے کہ آدمی کے لئے وطن کے راستے میں قربانی دینا اور قتال کرنا جائز نہیں ہے اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ ارض اسلام اور مسلمانوں کے وطنوں

کا دفاع کرنا ایک شرعی فریضہ ہے اور ہر مسلمان کو یہ فریضہ ضرور سرانجام دینا چاہئے ان دونوں امور میں کس طرح تطبیق دی جائے گی؟

اسی طرح حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ: جو آدمی اپنے مال یا عزت کی خاطر قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے اس کو کس نظر کے ساتھ دیکھا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے: الحمدللہ ان امور کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی کے راستے میں اوراس کے کلمے کی سربلندی کے لئے کسی چیز کے دفاع میں لڑنا، اور اللہ تعالی کی طرف معاملہ لوٹائے بغیر کسی چیز کی حمیت کی خاطر اس کے دفاع کے لئے لڑنا ان ہر دو امور کے درمیان فرق ہے۔ پہلی چیز کو اسلام نے مشروع قرار دیا ہے اور اسے کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بندے کے لئے اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کے لئے افضل ترین عمل ہے۔ جبکہ دوسری چیز باطل ہے اور شرک کے زمرے میں آتی ہے کیونکہ اس سے اعمال کا غیر اللہ کی طرف پھیرنا لازم آتا ہے۔

اسی طرح وطن کی محبت اور اس کی طرف شوق رکھنا جو کہ ایک شرعی طور پر جائز عمل ہے اس کے اور وطن کی بنیاد پر ولاء والبراء قائم کرنے کے درمیان بہت فرق ہے۔ انسان کا مقصد حیات یہ نہ ہو جائے کہ اس کے تمام اعمال صرف اور صرف وطن کی خاطر ہو رہے ہوں۔ یہ بات شرعی طور پر جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے وطن کا اللہ تعالی کے ساتھ شریک کرنا لازم آتا ہے۔ اکثر لوگ ان دونوں امور کے درمیان خلط ملط کا شکار ہو جاتے ہیں۔

محمد کریم ﷺ کے دل کو مکہ تمام روئے زمین سے زیادہ عزیز تھا۔ لیکن آپ ﷺ کو اللہ تعالی کی ذات سب سے زیادہ محبوب اور آپ ﷺ کے ہاں اس کا مرتبہ سب سے اعلی وارفع تھا۔ اسی لئے جب نبی کریم ﷺ کو آپ کی جائے پیدائش، آپ ﷺ کے بچپن اور جوانی کے گذرنے کی جگہ، آپ ﷺ کے محبوب وطن مکہ اور دارالاسلام یثرب یعنی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت، ان دونوں میں سے ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے اللہ تعالی کی رضامندی اور اس کی طرف ہجرت کرنے کو ترجیح دی۔ صحابہؓ اور تابعینؒ بھی نبی کریم ﷺ کے اسی طریقے پر چلتے رہے۔ اور ہم بھی نبی کریم ﷺ کے اسی

طریقے کی اقتداء کرنے والے ہیں۔

ایک اہم تنبیہ:

جان لیجئے ! اللہ تعالی کی رضامندی کا حصول ہی بندے کی زندگی کا سب سے بڑا اور بلند مقصد ہونا چاہیئے ،کوئی دوسرا مقصداس سے بالاتر نہ ہو۔اے اللہ کے بندے! یہ آپ پر اللہ تعالی کا حق ہے۔اگر کبھی ایسا ہو جائے کہ ایک طرف اللہ تعالی ہو اور دوسری طرف وطن، مال و دولت خاندان برادریاں اور اس طرح کی دنیا کی آرائش وزیبائش اور آزمائش کی دوسری چیزیں ہوں اور آپ کو ان دونوں میں سے ایک کو چننے کا اختیار دے دیا جائے تو مقدم ومختار اللہ تعالی کی ذات ہی ہونی چاہیئے۔اللہ تعالی کے راستے میں یہ تمام چیزیں بے فائدہ اور بے وقعت ہیں جبکہ غیر اللہ کے راستے میں یہی چیزیں عزت اور شرف کا معیار ہیں۔

ہمارے دشمن طاغوت کے راستے میں جان تک قربان کرنے سے نہیں چوکتے، ہمارا تو زیادہ حق بنتا ہے کہ ہم اللہ تعالی کے راستے میں قربانی دیں اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کریں اس حوالے سے ہماری ذمہ داری تو خاص طور پر اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ ہم اللہ تعالی سے اس اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں جس کی ہمارے دشمنوں کو کوئی امید نہیں ہے۔ یہ ایمان اور عقیدہ توحید کے لوازمات میں سے ہے جسے پہچاننا اور اس کا خیال رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔اگر یہ بات نہ ہوئی تو اس کا اسلام کا دعوی فقط زبانی دعوی ہوگا جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللّهُ بِأَمْرِهِ وَاللّهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ التوبہ ۲۴

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور

تمہارے کنبے قبیلےاورتمہارے کمائے ہوئے مال اوروہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہواور وہ حویلیاں جنہیں تم پسند کرتے ہواگر یہ تمہیں اللہ سے اوراس کے رسول سے اوراس کی راہ کے جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو تم انتظار کرو کہ اللہ تعالی اپنا عذاب لے آئے ۔ اللہ تعالی فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس آیت میں فسق سے مراد فسق اکبر ہے جو کہ ملت سے خارج کر دینے والا ہے۔اس آیت مبارکہ اور اس موضوع کے متعلقہ دوسری نصوص شرعیہ کا یہی تقاضا ہے۔

11- قوم اور قومیت:

زبان، تاریخ، ملک اور رنگ ونسل یہ چند ایک ایسی مبادیات ہیں جن پر نظریہ قوم اور قومیت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔جو قوم ان خصائص ومبادیات کی بنا پر وجود میں آتی ہے دین اور عقیدہ سے قطع نظر صرف اسی کو قومی دوستی اور مدد کا حق حاصل ہوتا ہے۔کیونکہ نظریہ قومیت اور اس کے داعیوں کے ہاں دین اور عقیدے کی کوئی خاص وقعت اور حیثیت نہیں ہوتی۔نظریہ قومیت ان لادین اور غیر مذہب کافر طاقتوں کا خود کاشتہ پودا ہے جو دین کو امور حیات اور امور سلطنت سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔

اس بنا پر جو قوم ان اساسیات اور مبادیات کے ساتھ تشکیل میں آتی ہے وہ طاغوت کے زمرے میں آتی ہے۔کیونکہ اس صورت میں ولاء والبراء اور حقوق وواجبات کی تقسیم اس قوم کی طرف نسبت کی بنیاد پر ہی عمل میں آتی ہے۔جو اس قوم سے تعلق رکھنے والا ہے اسے دوستی اور مدد ملے گی اور وہ تمام حقوق کا حقدار ہوگا اگرچہ وہ زمین کا سب سے زیادہ سرکش انسان ہی کیوں نہ ہو۔اور جو اس قوم سے تعلق نہیں رکھتا اسے ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا اگرچہ وہ زمین کا سب سے نیک انسان ہی کیوں نہ ہو۔

مختصر یہ کہ نظریہ قومیت سے اللہ تعالی کی حرام کردہ اشیاء کی حلت اور حلال کردہ اشیاء کی حرمت لازم آتی ہے یہ ایسا صریح کفر ہے جس میں کسی قسم کی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔اس کے ساتھ ساتھ نظریہ قومیت کا اعتقاد رکھنا اور اس کی مدد کرنا طاغوت کا اعتقاد رکھنے اوراس کی مدد کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔

جبکہ اسلام ایمان، دین اور عقیدے کی بنیاد پر دوستی اور اخوت کو ضروری قرار دیتا ہے اور اس نے رنگ و نسل اور قومیت سے قطع نظر تقوی اور عمل صالح کو لوگوں کے درمیان افضلیت اور شرف کا معیار قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ الحجرات:۱۰

(یادرکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

سب مسلمان بھائی بھائی اور ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر چہ وہ مختلف قومیتوں سے تعلق رکھنے والے ہوں اور مختلف زبانیں بولتے ہوں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ التوبہ:۷۱

مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار و معاون اور) دوست ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ﴾ الکہف:۱۰۲

کیا کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں؟ کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالیں گے؟

اللہ تعالی نے ان لوگوں کی دوستی اختیار کرنے سے اسی چیز کو مانع قرار دیا ہے کہ انہوں نے کفر کیا ہے اگر چہ وہ ایک ہی قوم سے بلکہ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھنے والے ہی کیوں نہ ہوں۔

اور فرمایا:

﴿أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ☆ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾ القلم:۳۵-۳۶

کیا ہم مسلمانوں کو مثل گناہ گاروں کے کردیں گے۔ تمہیں کیا ہوگیا، کیسے فیصلے کررہے ہو؟

انجام کے اعتبار سے یہ کبھی برابر نہیں ہوسکتے اگر چہ یہ ایک ہی قوم اور نسل سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں۔

اور فرمایا:

﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ﴾ص:۲۸

کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے برابر کردیں گے جو (ہمیشہ) زمین میں فساد مچاتے رہے، یا پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کردیں گے؟

اور فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾الحجرات:۱۳

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور عمل صالح کو فضیلت اور شرف کا معیار قرار دیا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ حدیث مروی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

میرے خاندان کے یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دوسرے لوگوں کی نسبت میرے زیادہ قریب ہیں۔ جبکہ ایسا نہیں ہے، تم میں سے میرے زیادہ قریب وہ ہیں جو متقی ہیں، وہ جو کوئی بھی ہوں اور جہاں کہیں بھی ہوں۔ (السنۃ از ابن ابی عاصم، شیخ البانی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔)

اور فرمایا:

کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے۔

اور فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کا کبروغرور اور آباء واجداد کے ساتھ فخر کرنے کو ختم کردیا ہے۔ یا تو متقی مومن ہے یا بدبخت فاسق وفاجر ہے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ لوگوں کو چاہئیے کہ وہ قوموں کی بنیاد پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔ ایسے لوگ جہنم

کا ایندھن ہونگے ، یہ لوگ اللہ تعالی کے ہاں سیاہ رنگ کے بد بودار حشرات الأرض سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔(أحمد، أبوداؤد، صحیح الجامع:۱۷۸۷)

اور فرمایا:

جس نے زمانہ جاہلیت کے کسی تعلق کی تمنا کی وہ جہنم کے گروہوں میں سے ہے۔ایک آدمی کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر چہ وہ شخص نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چہ وہ نماز پڑھتا اور روزے رکھتا ہو۔تم اللہ کی طرف اپنی نسبت کرو جس نے تمہارا نام ''مسلمان''، ''مومن'' اور ''اللہ کے بندے'' رکھا ہے۔(صحیح الترغیب والترہیب:۵۵۳)

اور فرمایا:

ایسا شخص ہم میں سے نہیں جس نے اپنے آپ کو جاہلیت کی کسی بات کی طرف منسوب کیا۔ (صحیح سنن النسائی:۱۷۵۶)

اسلام کے علاوہ ہر نسبت زمانہ جاہلیت کی نسبت ہے۔ ہر وہ تعلق جو عقیدہ، دین، عمل صالح اور خشیت الٰہی کے علاوہ کسی دوسری چیز پر قائم ہو وہ زمانہ جاہلیت کا گندہ تعلق ہے۔اس تعلق کو ختم کر دینا اور اس سے براءت کا اظہار کرنا ضروری ہے۔

قومیت کے بارے میں ہم نے گذشتہ عبارات میں جو اپنی رائے پیش کی ہے یہ اس قبیلہ اور خاندان کے بارے میں ہے جس کے ہاں دوستی اور دشمنی کا معیار دین اور اخلاق سے قطع نظر صرف اور صرف قبیلہ یا خاندان کی طرف نسبت ہو۔صرف وہی شخص دوستی اور مدد کا مستحق ہو جو اپنے قبیلہ یا خاندان کی طرف منسوب ہو اور اس قبیلہ کے رسوم ورواج اور قوانین کو اپنانے والا ہو اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔اس مدد اور دوستی کا مستحق وہ شخص نہیں ہوسکتا جو اپنے قبیلہ سے تعلق رکھنے والا نہیں ہے خواہ وہ بہترین مسلمان اور مومن ہی کیوں نہ ہو۔

اس صورت میں قبیلہ اور اس کے قوانین اہل قبیلہ کی نگاہ میں ایک ایسا معبود ہوتا ہے جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جارہی ہوتی ہے۔ کیونکہ قبیلہ کے قوانین جس بات کو لازم ٹھہراتے ہیں اسے تسلیم کیا جاتا ہے

اگر چہ وہ شریعت میں حرام ہی کیوں نہ ہو۔جس بات سے قبیلہ کے قوانین روک دیں اس سے رک جایا جاتا ہے اگر چہ وہ کام شریعت میں واجب ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ظاہری شرک وکفر ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾ الأنعام:۱۲۱

اور اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ گے۔

یعنی اگر اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے اور اللہ تعالی کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کرنے میں ان کی بات مانو گے تو تم بھی انہیں کی طرح مشرک ہو گے۔

بعض قبائل اور خاندانوں میں دوستی اور محبت کی ایک یہ صورت بھی معروف ہے کہ وہ اپنے آباء واجداد کے کارنامے بڑے فخریہ انداز سے بیان کرتے رہتے ہیں اس بات سے قطع نظر کہ وہ دین پر قائم بھی تھے یا نہیں۔ بلا شک وشبہ اسلام نے اس بات سے منع کیا ہے اور بڑی سختی سے اس سے بچاؤ کی تلقین کی ہے۔

حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

موسی علیہ السلام کے زمانہ میں دو آدمیوں نے اپنا نسب نامہ بیان کیا۔ایک کہنے لگا: میں فلاں ہوں اور فلاں کا بیٹا ہوں اپنی نو پشتیں گنوانے کے بعد دوسرے کو گالی دے کر کہنے لگا کہ تو کون ہے؟ دوسرا کہنے لگا: میں فلاں ہوں فلاں کا بیٹا اسلام کا بیٹا۔اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ ان دونوں نسب بیان کرنے والوں سے کہہ دو: پہلا شخص جو نو لوگوں کی طرف اپنی نسبت بیان کرنے والا ہے وہ نو لوگ سب کے سب جہنمی ہیں اور تو دسواں بھی ان کے ساتھ جہنمی ہے۔دوسرا شخص جو دو کی طرف نسبت بیان کرنے والا ہے وہ دونوں جنتی ہیں اور یہ تیسرا بھی ان کے ساتھ جنتی ہے۔(أحمد،نسائی،طبرانی،صحیح الجامع:۱۴۹۲)

جو شخص فخریہ انداز میں اپنا نسب نامہ بیان کرنا چاہتا ہے اور ایسا کرنے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ کار نہیں تو اسے چاہیئے کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کی طرف اپنی نسبت بیان کرے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو اس شخص پر جس نے یہ بات کہی:

اگر لوگ قیس اور تمیم کی طرف نسبت کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں تو میرا باپ اسلام ہے اس کے علاوہ میرا کوئی باپ نہیں۔ (اسی مؤلف کی کتاب ''صفۃ الطائفۃ المنصورۃ''، صفحہ: ۷۵)

12-انسانیت پرستی:

جب انسانیت پرستی انسان کی زندگی کا ایک خاص شعار بن جائے اور اسی کی بنیاد پر وہ دوستی اور دشمنی کو اختیار کرے، اسی کی خاطر جان و مال کی قربانی پیش کرے اور اسی کے لئے صلح و جنگ کا اعلان کرے تو اس صورت میں اس کا یہ شعار طاغوت کا روپ اختیار کر لے گا جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جارہی ہوتی ہے۔

انسانیت پرستی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ہونے کے ناطے تمام لوگ یکساں حقوق و واجبات کے مستحق ہیں اگرچہ وہ مختلف مذاہب وعقائد کے حامل ہی کیوں نہ ہوں۔ اس طرح لوگوں میں نیک ترین اور سب سے اعلیٰ اخلاق کا حامل شخص، انسان ہونے کے ناطے دنیا کے سب سے بڑے کافر اور بد بخت ترین شخص کے برابر ہوتا ہے۔ جب تک یہ دونوں ایک ہی اصل نسل انسانی کی طرف منسوب ہیں ان دونوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جائے گا۔ (انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنا ایک جھوٹا دعویٰ ہے جس کی اصل میں کوئی حقیقت نہیں، انسانیت کے حقوق و مصالح کا نعرہ لگانے والی غیر مسلم طاقتوں میں سے کوئی بھی انسانیت کے حقوق کے لئے مخلص نہیں ہے اس کی وضاحت مندرجہ ذیل دو امور سے ہوتی ہے:

موجودہ دور کے حالات و واقعات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ موجودہ دور کی غیر مسلم اور طاغوتی طاقتیں صرف اور صرف اپنی ذاتی اور مادی مصلحتوں کی تکمیل اور خواہشات نفسانی کے ذریعے اپنے مذہب کی غلط تفسیر کر کے اس کی ترویج کے لئے ہی کوشاں ہیں۔ وہ صرف اپنے اسی ایجنڈے کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور انسانی حقوق کا انہیں بالکل کوئی خیال نہیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ فلسطین، بوسنیا ہرگوزینیا، چیچنیا، افغانستان اور دوسرے مسلمان ممالک میں ان طاغوتی طاقتوں کی زیر نگرانی انسانوں کے ساتھ جو انسانیت سوز کیا جارہا ہے اور لوگوں کا قتل عام کیا جارہا ہے اور خون پانی کی طرح بہایا جارہا ہے اس پر انسانیت کے ان جھوٹے علمبرداروں کے کانوں پر کوئی جوں تک نہیں رینگتی۔

دوسرا یہ کہ: قرآن کی کسی بات یا دعوی کو جھٹلایا نہیں جاسکتا، قرآن کے قطعی دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ یہود و نصاری اوران کے ہم نوالہ وہم پیالہ دوسرے کفار اور منافقین ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف مکر وفریب کے جال بچھائے رکھیں گے، اورحتی المقدور مسلمانوں کے خلاف لڑائی جاری رکھیں جب تک انہیں ان کے دین سے پھیر نہیں دیتے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُواْ﴾ البقرة:۲۱۷

یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہوسکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کردیں۔

اورفرمایا:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ البقرة:۱۰۹

ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہوجانے کے محض حسد وبغض کی بناپر تمہیں بھی ایمان سے ہٹادینا چاہتے ہیں۔

اورفرمایا:

﴿وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ البقرة:۱۲۰

آپ سے یہود ونصاری ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں۔

بھلا بتایئے! انسانیت کے حقوق کا کہاں خیال رکھا جارہا ہے جیسا کہ وہ اس کا دعوی کرتے ہیں؟

اگر معاملے کی حقیقت یہ ہے تو پھر انسانیت، قومیت، لادینیت، وطنیت اور اس طرح کے دوسرے نعرے بلند کرنے اور ان کی مسلمانوں میں ترویج کا آخر کیا مقصد ہے؟

اس کا جواب اجمالی طور پر دو نقاط میں یوں دیا جاتا ہے:

اول یہ کہ: اس قسم کے نعرے بلند کرنے کا مقصد اول مسلمانوں کو ان کے دین اور عقیدہ سے دور کرنا ہے جو کہ ان کی طاقت وقوت اور رعب ودبدبے کا اصل مصدر ہے۔ دوسرا مقصد یہ کہ مسلمانوں کے دین اور عقیدہ کی بنیاد پر قائم ولاء والبراء کے نظریے کو جاہلیت کی دوسری گندی اور جھوٹی دوستیوں اور تعلق داریوں کے ساتھ تبدیل کردیا جائے جو کہ امت مسلمہ کو درپیش مشکلات اور چیلنجوں کا مقابلہ ہی نہیں کرسکتیں۔

دوسرا نقطہ یہ کہ: مسلمانوں میں اس قسم کے نظریات کو پھیلانے کا مقصد یہ ہے تاکہ مسلمانوں کو فکری، ثقافتی، معاشی اور معاشرتی طور پر کمزور کردیا جائے اوران کے لئے ہر لحاظ سے مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کرنا آسان ہوجائے اور

اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے انہیں مسلمانوں کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا بھی نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ اگر امت مسلمہ سے عقیدہ ولاء والبراء کو ختم کر دیا جائے، اور وہ کافر اور مسلمان کے درمیان تفریق کرنا چھوڑ دیں تو کافروں کے لئے ان کے خلاف جنگ کرنا اور ان پر تسلط قائم کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔

تیسری حقیقت یہ ہے کہ: جب اللہ وحدہ لاشریک کا ذکر کیا جائے اور تمام جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر اسی کو عبادت کے لئے خاص کر لیا جائے تو مشرکوں کے دل تنگ پڑ جاتے ہیں اور یہ بات انہیں سخت ناگوار گذرتی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴾الزمر:۴۵

جب اللہ اکیلے کا ذکر کیا جائے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرنے لگتے ہیں جو آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور جب اس کے سوا (اوروں کا) ذکر کیا جائے تو ان کے دل کھل کر خوش ہو جاتے ہیں۔

اور فرمایا:

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴾الصافات:۳۵

یہ وہ (لوگ) ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے۔

مشرکوں کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز توحید کا تذکرہ ہے، اس سے اہل توحید کے خلاف ان کے دل تنگ پڑ جاتے ہیں اور ان کے چہروں کے تاثرات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالی کے ساتھ شرک کے تذکرے سے بڑھ کر کوئی چیز ان کے لئے مسرت انگیز نہیں ہے۔ اس بات کا مشاہدہ آپ اس صورت میں کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی ان کے سامنے اس بات کا اعلان کر دے کہ میں اللہ تعالی کے راستے کی بجائے وطن، انسانیت اور قوم کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوں یا اس طرح کی کوئی دوسری عبارات بول دے تو یہ اس کی اس بات سے بہت خوش ہوتے ہیں اور اسے اعلی درجے کا پروٹوکول دیتے ہیں، اسے اپنے قرب کا درجہ دیتے ہیں اور اس کی طرف غایت درجہ پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ایسا شخص ان کے نزدیک دہشت گردی اور بنیاد پرستی کے دائرہ سے نکل جاتا ہے۔)

محبت کی یہ قسم دین کو نقصان دینے والی ہے اس لئے دین کی حفاظت کی ضرورت کے پیش نظر اسے باطل قرار دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اس قسم کی محبت کے دعویداروں کے ہاں سید الکونین محمد الرسول اللہ ﷺ اور کفر کے سردار ابوجہل کے درمیان انسان ہونے کے ناطے کوئی فرق نہیں۔ اس لحاظ سے وہ دونوں ایک جیسی محبت، دوستی اور مدد کے مستحق ہیں۔ (نعوذ باللہ) یہ بات صرف کوئی زندیق کافر ہی کہہ سکتا ہے

جسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کی موت کس دین پر واقع ہونے والی ہے۔

اس قسم کی محبت کے نقصانات میں سے یہ نقصان بھی ہے کہ اس کے دعویدار جو بھی عمل کرتے ہیں اس میں انسانیت کو اللہ کا شریک بنا دیتے ہیں۔ ایسا شخص جب بھی کوئی رفاہ عامہ کا کام کرتا ہے تو اسے انسانیت کے نام پر کرتا ہے۔ اگر کبھی اپنا مال خرچ کرے تو انسانیت کے نام پر خرچ کرتا ہے۔ اگر قتال کرے تو انسانیت کے نام پر قتال کرتا ہے۔ اگر مر جائے تو انسانیت کے نام پر مرتا ہے۔ غرض جو بھی عمل کرتا ہے اسے انسانیت کے نام پر کرتا ہے۔ انسانوں کے ہاں انسانیت ایک الہ کا روپ دھار چکی ہے جسے وہ اللہ کے علاوہ پوجتے ہیں اور اسی کو دوستی اور دشمنی کا معیار مانتے ہیں۔

13- قبیلہ و برادری:

جب قبیلہ و برادری تمام قسم کے اختیارات کی تقسیم کا منبع و مصدر ہو حتیٰ کہ قانون ساز اسمبلی کا قیام اور حکمرانوں کا چناؤ بھی اسی کی رائے کے ساتھ ہو، اور ملک میں لاگو ہونے والے قانون کو بھی یہی رائج کرے، حتیٰ کہ یہ کیفیت ہو جائے کہ اگر کبھی جاہلیت کے کسی قانون کی ترویج پر سارے قبیلے کا اجماع ہو جائے تو اسی قانون کو لاگو اور رائج کر دیا جائے۔

اس صورت میں قبیلہ و برادری طاغوت کا روپ دھار جائے گا کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا جا رہا ہے۔ اس کی مختلف وجوہات ہیں:

1- اسے قانون سازی کا اختیار دینا، فیصلہ اور قانون سازی میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دینا۔ شرک کی اس قسم کے متعلق پہلے بھی بہت سے دلائل گذر چکے ہیں۔

سید قطبؒ فرماتے ہیں: اسلامی نظام میں امت کے لوگ حاکم کو چنتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق حکم کے نفاذ کا اختیار دیتے ہیں۔ (امت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ حاکم کو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بغیر کسی حکم کے نفاذ کا اختیار دے دیں۔ اسی طرح امت کو یہ اختیار بھی نہیں ہے کہ وہ اپنے ملک پر حکمرانی کرنے کے لئے کسی غیر مسلم اور مرتد کو اپنا حاکم بنالیں اور پھر اس کے معاملات کی توثیق بھی کریں۔)

اس کے باوجود اسلام میں امت حاکمیت کی تقسیم کا منبع و مصدر نہیں ہے کہ جو اپنی مرضی کے قوانین بھی لاگو

کر سکے بلکہ اسلام میں اول و آخر حاکمیت اعلی کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالی کے پاس ہے۔اکثر لوگ حتی کہ بعض مسلمان محققین بھی کسی کو حکم کے نفاذ کا اختیار دینے اور بذات خود حاکمیت اعلی کا مالک ہونے ان ہر دو امور کے درمیان خلط ملط پیدا کر دیتے ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ لوگ بالجملہ حاکمیت اعلی کا اختیار نہیں رکھتے بلکہ اس کا اختیار اول و آخر صرف اور صرف اللہ تعالی کو ہی ہے۔(فی ظلال القرآن:۴/۱۹۹۰)

2-اللہ تعالی کی نافرمانی کے امور میں اس کی اطاعت کرنا،اور ہر اس کام کو کر گذرنا جس کے کرنے کا قبیلہ و برادری حکم دے یا اس کے بارے میں اپنی رغبت ظاہر کرے اگر چہ وہ ظاہری کفر کا کام ہی کیوں نہ ہو۔

3-قبیلہ و برادری کے ارادے کو اللہ تعالی کے ارادے پر مقدم سمجھنا اور اسے حاکم اعلی سمجھتے ہوئے تمام اختلافات کے حل کے لئے اسی کی طرف رجوع کرنا(حکمران جماعت اور اپوزیشن میں اگر کبھی کوئی اختلاف واقع ہو جائے تو وہ دونوں اس معاملے کو عوام کی عدالت میں پیش کرنے اور اس سے فیصلہ کروانے کے بارے میں ایک دوسرے کو دھمکی دیتے ہیں۔یہ بات اللہ تعالی کے حکم کے مخالف ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً﴾النساء:۵۹

اے ایمان والو!فرمانبرداری کرو اللہ تعالی کی اور فرمانبرداری کرو رسول ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ،اللہ تعالی کی طرف اور رسول کی طرف،اگر تمہیں اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

امام ابن القیم الجوزیؒ اپنی کتاب "أعلام الموقعین:۱/۴۹"میں فرماتے ہیں:اللہ تعالی کے فرمان﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ﴾میں شرط کے بعد نکرہ استعمال کیا گیا ہے۔اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دین کے وہ تمام مسائل مراد ہیں جن میں مومنین کا آپس میں اختلاف ہو سکتا ہے۔خواہ وہ چھوٹے مسائل ہوں یا بڑے،ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔اگر کتاب اللہ اور سنت نبی کریم ﷺ میں ان مسائل کا حل موجود نہ ہوتا تو اللہ تعالی کبھی بھی مومنوں کو ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہ فرماتے۔کیونکہ یہ محال ہے کہ اللہ تعالی جھگڑے کے وقت اس چیز کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیں جس کے پاس جھگڑے کا حل موجود نہ ہو۔

تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالی کی طرف لوٹانے سے مراد اللہ تعالی کی کتاب کی طرف رجوع کرنا ہے اور نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹانے سے مراد آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ ﷺ کی ذات سے رجوع کرنا ہے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی سنت سے رجوع کرنا ہے۔

اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی طرف فیصلہ لوٹا دینا ایمان کا لازمی جز ہے۔ اگر کوئی اس کا انکار کرے گا تو اس کے ایمان کی نفی لازم آئے گی۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں آپس میں لازم وملزوم ہیں اور قاعدے کے مطابق لازم کے انکار سے ملزوم کا انکار خود بخود ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالی خبر دے رہے ہیں جس نے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے یا قانون کے بغیر فیصلہ کروایا یا کیا اس نے طاغوت کے ذریعے فیصلہ کیا یا اسے اپنا فیصل تسلیم کیا۔)

اور بغیر کسی حیل و حجت کے اس کے فیصلے کو تسلیم کر لینا۔ یہی تو الوہیت اور ربوبیت ہے جو اللہ تعالی کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے۔

تنبیہ:

یاد رکھیئے! عوام یا قبیلہ برادری کا فیصلہ اللہ تعالی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، اگرچہ وہ اسلامی شریعت کے مطابق درست فیصلہ ہی کیوں نہ کرے۔ اس کی دو وجوہات ہیں:

1- اگر عوامی حکومت شریعت اسلام یا اس کے کسی قانون کو لاگو اور نافذ کر رہی ہے تو وہ ایسا عوام کی رغبت اور ارادے کے پیش نظر کر رہی ہے اس میں اللہ تعالی کی مرضی اور رضا شامل حال نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہی عوام بعد میں شریعت کے اس فیصلے اور قانون کی جگہ کسی دوسرے فیصلے اور قانون کے نفاذ کی منظوری دے دے تو اسے بغیر کسی حیل و حجت اور مخالفت کے لاگو اور نافذ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ تمام لوگوں کے ہاں یہ بات معروف ہوتی ہے کہ فیصلہ اور حکومت عوام کی ہے اس لئے تمام امور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اسے مکمل اختیار ہے جو فیصلہ چاہے کرے اور جس قانون کو چاہے نافذ کرے۔

2- حاکمیت اعلی صرف اور صرف اللہ تعالی کی ہے اور یہی الوہیت اور ربوبیت کا مفہوم ہے جبکہ بندوں کا کام صرف اور صرف بندگی اور اطاعت کا اظہار اور توحید کا اقرار ہے۔ اللہ تعالی کی شریعت سے فیصلہ کروانے کا بنیادی مقصد یہ ہے تا کہ اللہ تعالی کے لئے بندوں کی بندگی کا مکمل اظہار ہو جائے۔ یہ مقصد

اس وقت بالکل پورا نہیں ہوگا کہ عوام اپنی رغبت اور خواہش سے اللہ تعالی کے احکام کو نافذ کریں کیونکہ اس سے تو معاملہ بالکل الٹ ہوجائے گا کہ اگر بندوں کی خواہش ہے تو اللہ تعالی کے احکام کو نافذ کر دیا جائے اور اگر وہ ایسا نہیں چاہتے تو ان احکام سے اعراض کیا جائے اس طرح اللہ تعالی کی بجائے عوام کی عبادت لازم آئے گی۔ کیونکہ فیصلہ تو درحقیقت عوام کی عدالت میں پیش کیا جارہا ہے اللہ تعالی کو اس حوالے سے کوئی حیثیت نہیں دی جارہی۔ جبکہ اس میں بنیادی بات یہ ہے کہ اس حوالے سے اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کا خیال رکھنا چاہیئے

سید قطبؒ فرماتے ہیں: عوام کو کبھی بھی حاکمیت اعلی کا اختیار نہیں مل سکتا۔ عوام کا لاگو کیا ہوا کوئی قانون نہ تو حق ہوسکتا ہے اور نہ ہی یہ دین بن سکتا ہے۔ اسلام ابتداء ہی سے اس نظریے پر قائم ہے کہ عوام کا کوئی فعل، عمل یا دستور حیات اگر کتاب وسنت کے مخالف ہے تو صرف عوامی تائید حاصل ہونے کی وجہ سے نہ تو یہ حق ہوسکتا ہے، نہ اسے دین کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے اور نہ ہی یہ دین کی کوئی عملی تفسیر ہوسکتا ہے۔

لوگ اگر اپنے امور اللہ تعالی کی طرف نہ لوٹائیں اور اپنے قوانین خود وضع کریں اس طرح اگر وہ اللہ تعالی کی شریعت سے ملتے جلتے قوانین بھی وضع کرلیں بلکہ اللہ تعالی کے قوانین کو ہی ہو بہو کیوں نہ لاگو کردیں چونکہ انہوں نے یہ قوانین اپنی مرضی سے بنائے ہیں اور اللہ تعالی کا نام، اس کی بادشاہی اور الوہیت کا اعتراف ان میں شامل نہیں ہے اس لئے یہ قوانین انہیں اللہ تعالی کا بندہ بنانے کے لئے کفایت نہیں کرسکتے۔ بندے صرف اسی صورت میں اللہ تعالی کی بندگی کا حق ادا کرسکتے ہیں کہ وہ اپنی سلطانی اور حاکمیت کے حق سے دستبردار ہوکر زمین میں صرف اور صرف اللہ تعالی کی سلطانی اور شریعت کے نفاذ کی کوشش کریں۔ (طریق الدعوۃ فی ظلال القرآن: ۲/۳۲، ۱۸۹)

14- جمہوریت کی بعض صورتیں:

جمہوریت جو کہ موجودہ دور کے اکثر لوگوں کا دین بن چکا ہے میں مطلق طور پر اکثریت کے فیصلے پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اس کے چناؤ کو پسند کیا جاتا ہے وہ کسی قسم کا بھی ہو خواہ حق کے موافق ہو یا مخالف۔ قوم کی نگاہ میں اکثریت کا فیصلہ واجب الاتباع اور اس بات کا مستحق ہے کہ اسے نافذ کیا جائے۔ اگرچہ اس

کا انجام اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی مخالفت میں ہی کیوں نہ نکلتا ہو۔

جمہوریت کی یہ صورت بلاشک وشبہ طاغوت اور اللہ تعالی کی عبادت میں اس کا شریک شمار ہوگی۔

جمہوریت کی عبادت اسے حاکم ماننے اور اس کی اطاعت کرنے کی صورت میں پوشیدہ ہے۔اور اسی طرح اسے یہ سمجھنا کہ یہ ایک ایسا بلند و بالا ادارہ ہے جس کے حکم کو نہ تو رد کیا جاسکتا ہے، نہ اس پر کسی قسم کا اعتراض لگایا جاسکتا ہے یا عدم رضا کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ یہ تمام ایسے امور ہیں جنہیں اللہ تعالی کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے خاص نہیں کیا جاسکتا۔اللہ تعالی ہی حاکم ہے اور صرف اسی کا حکم ہی چلے گا۔اور صرف وہی ایک ایسی ذات ہے جس کے حکم کو نہ تو رد کیا جاسکتا ہے، نہ اس پر کسی قسم کا اعتراض لگایا جاسکتا ہے یا عدم رضا یا عدم تسلیم کا اظہار کیا جاسکتا ہے۔

15- قانون ساز اسمبلیاں (قومی اسمبلی):

یہ لوگوں کا اللہ تعالی کے خلاف بہت بڑی جرأت کا اظہار ہے کہ انہوں نے اپنے اور اپنی قوموں کے لئے ایسی قانون ساز اسمبلیاں وضع کر لی ہیں جنہیں انہوں نے قومی اسمبلیوں کا نام دے رکھا ہے۔ان اسمبلیوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ قانون سازی کریں اور اللہ تعالی کے حکم کو چھوڑ کر لوگوں کے لئے قوانین وضع کریں۔

یہ اسمبلیاں اور ان کے تمام ممبران طاغوت کبیر کے زمرے میں آتے ہیں (ایک دفعہ کسی تقریب میں اسمبلی کے ایک نمائندے کے ساتھ میرا آمنا سامنا ہوگیا، وہ بڑے متکبرانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور اس کے بات کرنے اور حرکات و سکنات کا انداز بڑا تکلفانہ تھا۔وہ اس بات سے بڑے فخر میں مبتلا تھا کہ اس کے قومی نمائندہ ہونے کی وجہ سے لوگ اس سے بہت مرعوب ہیں۔میں نے اچانک اس سے سوال کر دیا: جناب! اسمبلی میں آپ کی ذمہ داری کیا ہے؟اس نے بغیر کسی تردد کے جواب دیا کہ میری ذمہ قانون سازی ہے یعنی میں قانون ساز ہوں۔میں نے اس سے کہا: اس کا مطلب ہے کہ آپ الہ ہیں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ قانون سازی اللہ تعالی کی اہم ترین خصوصیات میں سے ہے، اور جس نے اپنے آپ کے لئے قانون سازی کا دعوی کیا اس نے عملی طور پر اپنے لئے الوہیت اور ربوبیت کا دعوی کر دیا۔اس کا یہ دعوی ویسا ہی ہے جیسا کہ فرعون نے اس سے پہلے کیا تھا: ﴿مَا عَلِمۡتُ لَكُم مِّنۡ إِلَٰهٍ غَيۡرِى﴾ اور

﴿ أَنَا رَبُّكُمُ الأَعلَى ﴾ میری یہ بات سن کر وہ شخص لاجواب ہوگیا اور اس سے کوئی بات نہ بن سکی۔)

کیونکہ اس نے اللہ تعالی کی اہم ترین خصوصیات یعنی قانون سازی اور حکم میں اپنے آپ کو اس کا شریک بنالیا۔

ان اسمبلیوں کا اپنے ممبران سمیت طاغوت ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان کے لئے قانون سازی کی خاصیت کا اقرار کر کے ان کی عبادت کی جاتی ہے اور ان کے وضع کردہ قوانین کو تسلیم کر کے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جاتی ہے۔اور ان طاغوتی اسمبلیوں کو ہر قسم کے اعتراض اور تعاقب سے بالاتر سمجھا جاتا ہے۔

تمام مسلمانوں اور ہر اس شخص کو جسے اپنا دین عزیز ہے ہماری نصیحت ہے کہ: وہ ان طاغوتی اسمبلیوں کے قریب تک نہ جائے۔اور کسی دوسرے کو بھی ان کے قریب لے جانے کا سبب نہ بنے ورنہ وہ اسے جہنم میں دھکیلنے کا سبب بن جائے گا۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَان ﴾ المائدہ:۲

نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو۔یہ سب سے بڑا گناہ اور زیادتی ہے۔

اسی طرح ہر انسان پر یہ بھی واجب اور ضروری ہے کہ وہ ان اسمبلیوں کی مشروعیت کا اقرار نہ کرے کیونکہ یہ طاغوت ہیں۔اس پر ان کا انکار کرنا اور ان سے بچ کر اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنا لازم اور ضروری ہے۔

ان طاغوتی اسمبلیوں کا ممبر بننے کی صورت میں جس قسم کے فوائد کے حصول کا دھوکا دیا جاتا ہے کوئی ان کا شکار مت ہوجائے کیونکہ یہ صرف اور صرف ایک شیطانی چال ہے، وہ تمہیں گمراہ کرنے اور دین سے روکنے کے لئے برائیوں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے اور اس قسم کے دوسرے حربے استعمال کرتا رہتا ہے ۔یاد رکھئے آپ کے سامنے ان اسمبلیوں کے جس قدر فوائد بھی ذکر کئے جائیں وہ ان سے حاصل ہونے والے دینی نقصانات میں سے ایک نقصان کا بھی مداوا نہیں کرسکتے۔(دیکھئے! ہماری کتاب ''حکم الإسلام

فی الدیمقراطیة '') دین کی سلامتی انسان کی زندگی کا عظیم مقصداور مصلحت ہونا چاہئیے جبکہ توحید دین کا ایک جزوعظیم ہے۔اس لئے چند کھوٹے سکوں کے عوض اپنے دین اور عقیدۂ توحید کو بربادمت کیجئے ایسا کرنے کی صورت میں تمہاری دنیااورآخرت کے برباد ہونے کا خطرہ ہے۔

﴿ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الإِصْلاَحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴾ ہود:۸۸

میراارادہ تواپنی طاقت بھراصلاح کرنے کا ہی ہے۔میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے،اسی پر میرا بھروسہ ہےاوراسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

16-اقوام متحدہ:

یہ بھی طاغوت ہےاوراللہ تعالی کےعلاوہ اس کی پوجا کی جاتی ہےاس کی چندایک وجوہات ہیں:

1- یہ ایک ایسی اسمبلی ہے جواپنے قوانین وضع کرنے کے لئے کتاب وسنت کے تابع نہیں ہے۔یہ صرف اورصرف عالمی کافراور طاغوتی طاقتوں کے مفادات اورخواہشات کی پیروی کرتی ہے۔

2- یہ ایک ایسی اسمبلی ہے کہ اقوام عالم اورممالک اپنے باہمی اختلافات اور جھگڑوں کا فیصلہ کروانے کے لئے اللہ تعالی کےعلاوہ اس کےقوانین کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

3- اس طاغوتی اسمبلی کے بارے میں اقوام عالم اورممالک کا نظریہ یہ ہے کہ یہ ہرقسم کے معاقبہ اور اعتراض سے بالاتر ہے،ضروری ہے کہ اس کے ہرحکم اورقانون کوقبول اورنافذ کیا جائے۔

اللہ تعالی کےعلاوہ پوجے جانے والے طواغیت میں سے کون ساایساطاغوت ہے جوظلم اورسرکشی میں اس طاغوت سے بڑھ کرہو۔حیرت ہے کہ اس کے باوجود بھی لوگ اس کی مشروعیت کا اعتراف کرنے اور اللہ تعالی کےعلاوہ اس سے فیصلہ کروانے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔

اس طرح ہروہ اسمبلی جواس قسم کی تمام یابعض صفات کی حامل ہووہ بھی طاغوت کے زمرے میں آئے گی کیونکہ وہ الوہیت کی دعویدار ہوتی ہےاوراللہ تعالی کےعلاوہ اس کی پوجا کی جارہی ہوتی ہے۔ہم نے صرف اقوام متحدہ کے تذکرے پراکتفاء کیا ہے کیونکہ تمام اقوام پراس کی سرکشی کے غلبے کی وجہ سے یہ

طاغوت اکبر کے زمرے میں آتی ہے۔قاری اپنی طرف سے اس قسم کی دوسری اسمبلیوں پر اس کا قیاس کرتے ہوئے ہوئے ان پر بھی طاغوت کا حکم لگا سکتا ہے۔

17- حزبیت کی بعض صورتیں:

جماعتوں یا لشکروں کی جب ذاتی طور پر اطاعت شروع ہو جائے یعنی حزب یا جماعت کی طرف سے جس قسم کے افکار و نظریات صادر کئے جائیں وہ اہل جماعت کے ہاں قابل قبول اور قابل اطاعت ہوں خواہ وہ حق کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔

جب حزب اور جماعت کو اس صورت میں ولاء والبراء کا معیار بنالیا جائے کہ جو کوئی اپنی جماعت کی طرف منسوب ہے وہ خواہ کوئی فاسق وفاجر اور ظالم شخص ہی کیوں نہ ہو اسے مدد نصرت اور دوستی کا وہ حق دیا جائے جو اس جماعت سے باہر کسی شخص کو نہیں دیا جا سکتا وہ خواہ ایک متقی اور عادل مسلمان اور پہلے شخص سے بہتر ہی کیوں نہ ہو۔

جب جماعت اور اس کے قائدین کے تعصب کی وجہ سے کسی غلط بات میں بھی جماعت کی اسی طرح مدد کی جائے جس طرح حق بات میں اس کی مدد کی جاتی ہے۔(حزبیت یا جماعت پرستی میں لوگوں کے غلو کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ حق کو صرف اسی صورت میں قبول کرتے ہیں جب وہ اپنی جماعت اور اس کے قائدین کی طرف سے جاری کیا گیا ہو۔اگر حق اپنی جماعت کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے پہنچے تو وہ اگر چہ اس سے منہ نہ بھی پھیریں اور اعراض نہ بھی کریں پھر بھی وہ ان کے ہاں قبولیت کا وہ معیار حاصل نہیں کر سکتا جو ان کی جماعت کے ذریعے پہنچنے کی صورت میں کر سکتا تھا۔یہ وہ بدترین صورت حال ہے جس کا مشاہدہ موجودہ دور کی اکثر و بیشتر جماعتوں میں کیا جا سکتا ہے۔)

جب جماعتوں کی صورت حال یہ ہو جائے تو یہ طاغوت کے زمرے میں داخل ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کو اللہ تعالی کے علاوہ پوجا جا رہا ہوتا ہے۔ان صفات کی حامل جماعتوں میں داخل ہونا طاغوتی جماعتوں میں داخل ہونے کے مترادف ہے اگر چہ یہ جماعتیں اپنے نام اسلامی طرز پر کیوں نہ رکھ لیں اور اسلام کے لئے کام کرنے کی دعویدار ہی کیوں نہ ہوں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: استاذ کا اگر اپنے شاگرد سے یہ مطالبہ ہو کہ وہ اس کی ہر بات پر

اس کی موافقت کرے گا اور مطلقا اس کے دوستوں سے دوستی رکھے گا اور اس کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھے گا، یہ حرام ہے کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو اس قسم کا حکم دے اور نہ ہی اس قسم کے خلاف شرع حکم پر عمل کیا جائے گا۔ بلکہ استاذ اور شاگرد کو سنت جمع رکھے گی اور بدعت پر ان کے درمیان تفریق پیدا ہو جائے گی۔ (جو بدعت تفرقہ پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے اس کا گناہ اور نقصان تفرقہ کے گناہ سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا آپس کا اتفاق واتحاد دین کا ایک بنیادی جزء ہے جس کے وجوب پر کتاب وسنت کے بے شمار دلائل موجود ہیں ان دلائل سے روگردانی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ کوئی اس سے بھی بڑی بنیاد موجود ہو جس کے بارے میں زیادہ تاکید بھی کی گئی ہو۔ میرے خیال کے مطابق توحید کے علاوہ کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہو سکتی کیونکہ اس پر تمام اصول قربان کئے جاسکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا بھی یہی تقاضا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''الا یہ کہ تم ان میں کفر صریح کا ارتکاب دیکھو۔ یہ حکمران اللہ تعالی کی طرف سے تمہارے لئے حجت ہیں''۔ حاکم کے خلاف خروج کرنا اگر فتنہ ہے تو یہ اس سے بھی بڑا فتنہ ہے کہ وہ کفر صریح کا اعلان کر رہا ہو تو اس پر خاموشی اختیار کی جائے اور رضامندی کا اظہار کیا جائے۔ شرک ایسا ظلم ہے کہ کوئی ظلم اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور یہ ایک ایسا فتنہ ہے جو تمام فتنوں سے بڑھ کر ہے۔ اس قسم کے حالات میں ضروری ہے کہ کم نقصان والی چیز سے تجاوز کرتے ہوئے بڑے نقصان کی حامل چیز کا مقابلہ کیا جائے۔ واللہ المستعان۔)

اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پابندی ان کو ایک نقطے پر اکٹھا کرے گی اور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ان کے درمیان جدائی ڈال دے گی۔

جس نے کسی شخص سے اس شرط پر معاہدہ کیا کہ اس کے دوستوں سے دوستی رکھے گا اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے گا، ایسا معاہدہ کرنا تاتاریوں کے طریق کار کے مطابق ہوگا جو کہ شیطان کے راستے میں جہاد کرنے والے ہیں۔ ایسے لوگ نہ تو مجاہدین فی سبیل اللہ ہو سکتے ہیں اور نہ مسلمانوں کے لشکری ہو سکتے ہیں، اور نہ ہی یہ درست ہے کہ انہیں مسلمانوں کے سپاہی سمجھا جائے بلکہ یہ شیطان کے سپاہی ہیں۔ البتہ استاذ اپنے شاگرد کو اگر یہ الفاظ کہے تو یہ اس کا احسن اقدام ہوگا: اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو لازم پکڑ، اللہ کے دوستوں سے دوستی رکھ (اس میں ان لوگوں کا رد کیا گیا ہے جو دین کے کسی بڑے معاملے کی تکمیل کے لئے عہد و میثاق باندھنے کو غیر شرعی قرار دیتے ہیں اور اسے ایسی بیعت قرار دیتے ہیں جو امیر کی

بیعت کوتوڑ دینے والی ہے۔)

اور اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھ، نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں پر ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔ (فتاوی ابن تیمیہ: ۲۸/ ۱۹-۲۰)

18- بت، پتھر، گائے، قبر، تصویر یا صلیب جن کی عبادت کی جارہی ہو:

ان تمام اشیاء میں سے جن کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جارہی ہو وہ طاغوت کے زمرے میں آتے ہیں۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان اشیاء کو موضوع بحث بنانا ایک فضول سی بات ہے کیونکہ ایسا تو کوئی بھی نہیں ہے جو ان چیزوں کی عبادت کرنے والا ہو یا انہیں عبادت کے کسی بھی مفہوم داخل کرنے والا ہو۔ خاص طور پر تو موجودہ دور میں ان اشیاء کی طرف لوگوں کا متوجہ ہونا ممکن ہی نہیں کیونکہ یہ علم وروشنی، عقل وٹیکنالوجی کا دور ہے۔

اس قسم کے کم عقل لوگوں سے ہم گذارش کرتے ہیں کہ: اگر تم اقوام عالم کے حالات وواقعات کا ذرا گہرائی سے مطالعہ کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کرہ ارض کے تین تہائی لوگ اللہ تعالی کو چھوڑ کر اس قسم کی فضول چیزوں کی پوجا کر رہے ہیں۔

چین کو دیکھئے! جس کی آبادی ایک ارب نفوس سے بھی زیادہ ہے۔ جاپان اور براعظم ایشیا کے اکثر ملکوں کو دیکھئے! ان ممالک میں آپ کو اکثر لوگ بت پرست ہی ملیں گے جو کہ مختلف قسم کے بتوں، پتھروں اور تصویروں کے پجاری ہونگے۔

ہندوستان میں اکثر لوگ گائے، بتوں اور مظاہر قدرت کے پجاری ہیں۔

صلیبی یورپ میں صلیبیوں کے گرجے اور معبد خانے تصویروں، بتوں، مجسموں اور صلیبوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ان کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جارہی ہے۔ انہوں نے عیسی، مریم علیہما السلام اور اپنے بڑے علماء اور راہبوں کے بت اور تصویریں بنا رکھی ہیں جنہیں وہ اللہ تعالی کے علاوہ پوجتے ہیں۔

اسی طرح موجودہ دور میں انہوں نے ایک جدید قسم کا بت ایجاد کر رکھا ہے جسے وہ اللہ تعالی کے علاوہ

پوجتے ہیں وہ یہ ہے ہر سال کے اختتام پر وہ کرسمس ڈے کے نام پر مختلف قسم کی محفلیں منعقد کرتے ہیں جس میں کرسمس کا درخت اور بابا کا ظہور ہوتا ہے جس کے بارے میں مشہور ہے وہ ہر قسم کی خیر و برکات کے نزول کا باعث ہے۔ عیسائیوں میں یہ بات عام ہو چکی ہے کہ وہ ہر سال اپنے علماء اور راہبوں کی مرضی سے ایک نیا معبود اور الہ بنا لیتے ہیں جسے وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجتے ہیں۔

عیسائیوں کے مختلف مذاہب اور فرقوں کے عبادت کے طریقہ کار پر اگر کوئی غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود عیسائی بت پرستی کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔

اگر آپ مسلمانوں کے علاقوں میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجی جانے والی قبروں اور کرداروں کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں تو کیجئے اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کا کوئی ایسا علاقہ موجود نہیں ہے جہاں چند ایسی قبریں موجود نہ ہوں جن کی پوجا نہ کی جارہی ہو اور لوگ ان کی طرف ثواب کی نیت سے سفر نہ کرتے ہوں اور طاغوت حکمران اسلحے کے زور پر ان کی حفاظت نہ کر رہے ہوں۔

اس طرح ان بتوں اور مورتیوں کے حکم میں طاغوت حکمرانوں کے وہ ضخیم اور مختلف نوعیت کے مجسمے بھی شامل ہیں جو یادگار کے طور پر مختلف چوراہوں اور شہروں کے داخلی راستوں میں نصب ہوتے ہیں۔

ایک غیر معروف اور مجہول فوجی کا کردار جس کی کوئی اصل اور وجود نہیں ہے۔ لیکن عام لوگوں کے ہاں مشہور ہے کہ اس فوجی نے ان کی حفاظت اور عزت کے تحفظ کے لئے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے۔ اس بنا پر لوگ اپنے ہاتھوں میں پھولوں کے گلدستے اٹھائے اس کی یادگار پر آتے ہیں اور بڑے خشوع سے انہیں وہاں رکھتے ہیں۔ اور وہاں کی اس کے ایصال ثواب کے لئے قرآن کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔

اسی طرح وہ پرچم لوگ جن کو سلامی پیش کرتے ہیں اور بہت زیادہ تقدس فراہم کرتے ہیں۔

یہ تمام کے تمام طاغوت ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ پوجا کی جاتی ہے اگر چہ یہ عبادت کسی خاص پہلو میں ہی کیوں نہ ہو۔

19- جمہوریت:

جمہوریت ایک ایسا دستورحیات جس کا وجود کائنات، زندگی اور انسان کے بارے میں اپنا ایک خاص نظریہ ہے۔ یہ لادینیت کے پرچار کی ایک شکل ہے جس کی بنیاد ملکی اور زندگی کے معاملات سے دین کو جدا کردینے پر قائم ہے۔ دین جمہوریت کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صرف مسجدیں، گرجے اور دوسرے عبادت خانے ہیں جبکہ زندگی کے باقی تمام معاملات قیصر (بادشاہ وقت) کے لئے ہیں۔

قومی مصلحت کے تقاضا کے تحت قیصر کو مکمل اختیار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص امور یعنی عبادت اور عبادت گاہوں کے معاملات میں دخل اندازی کرسکتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کو قیصر کے معاملات میں دخل اندازی کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ دین جمہوریت کے اس نظریے کے خلاف اگر کوئی تحریک اٹھائی جاتی ہے تو یہ الزام لگا کر اسے دبانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ دین کو سیاست میں شامل کیا جارہا ہے یا سیاست کو دین سے آلودہ کیا جارہا ہے اور اس کے ساتھ تحریک اٹھانے والوں پر بنیاد پرست اور دہشت گرد ہونے کا الزام لگا کر ایسی تحریک کو مکمل طور پر ختم کردیا جاتا ہے۔

﴿فَقَالُواْ هَـذَا لِلّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَـذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلاَ يَصِلُ إِلَى اللّهِ وَمَا كَانَ لِلّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَآئِهِمْ سَاء مَا يَحْكُمُونَ﴾ الأنعام:١٣٦

اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے، پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے کیا برا فیصلہ وہ کرتے ہیں۔

جمہوریت کے مندرجہ ذیل تفردات ہیں جو اسے دوسرے نظاموں سے جدا کرتے ہیں:

1- قوم اپنا فیصلہ خود ہی کرے گی۔ یعنی جمہوریت کی نگاہ میں شریعت ساز اور اطاعت کے لائق اللہ تعالیٰ کے بجائے خود انسان ہے۔

2- آزادی فکر، اگرچہ اس کا نتیجہ دین سے ارتداد کی صورت میں ہی کیوں نہ نکلتا ہو۔

3- آزادی اظہار: اگرچہ اس کا نتیجہ دین پر طعن و تشنیع کی صورت میں ہی کیوں نہ نکلتا ہو۔ کیونکہ

جمہوریت اوراس کے داعیوں کی نگاہ میں دین اعتراض، تنقیداور معاقبہ سے بالاتر نہیں ہے۔

4- شخصی آزادی: جہاں تک خودساختہ قوانین لوگوں کواس بات کی اجازت دیتے ہیں انہیں جمہوریت کے سائے میں ہرکام کرنے کی کھلی چھٹی ہے۔اگرچہ وہ حیوانیت پرہی کیوں نہ اتر آئیں۔

5-اکثریت کی رائے پراعتماد کرنااوراسے مقدس اورمحترم سمجھنااگرچہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو۔

6-ہر چیز میں ووٹنگ اور چناؤ پرانحصار کرنا اگرچہ وہ مقدس چیز اوراللہ تعالی کے دین کا کوئی معاملہ ہی کیوں نہ ہو۔

7-ووٹنگ اور چناؤمیں ایک جاہل ترین شخص کی رائے کاایک بہت بڑے عالم کی رائے کے برابر ہونا۔

8-معیشت میں سرمایہ دارانہ نظام اوراس کے تفردات پرانحصار کرنا۔

9-سیاسی جماعتوں اور پارٹیوں کی تشکیل کی مکمل آزادی، وہ جماعتیں اور پارٹیاں خواہ کسی بھی عقیدہ وفکر اورتفردات کی حامل ہی کیوں نہ ہوں۔(تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''حکم الإسلام فی الدیمقراطیة''اس کتاب میں ہم نے ان مبادیات پر بحث کی ہے جن پر جمہوریت کی بنیاد ہےاوران کے بارے میں شرعی نقطہ نظر واضح کیا ہے۔اور جمہوریت کے کفراور بطلان کو بادلیل ثابت کیا ہے۔)

یہ بات واضح ہوگئی کہ جمہوریت اوراس کے داعیوں کے ہاں انسان اوراس کی خواہشات معبوداور قابل اطاعت ہیں۔اس جدید دین میں لوگ اس قدر غلو کا شکار ہیں کہ وہ اس کی بنا پر محبت کرتے اوراسی کی بنا پر دشمنی روا رکھتے ہیں۔اسی کی بنا پر جنگ کرتے ہیں اوراسی پر صلح کرتے ہیں۔جو دین جمہوریت کو اختیار کرلے اس سے ان کی صلح اور محبت ہوتی ہے اور جو اس کا انکار کردے اس سے جنگ کرتے ہیں اور دشمنی رکھتے ہیں۔

جمہوریت ایک طاغوت ہے جوکہ اللہ تعالی کے علاوہ پوجے جانے والے دوسرے طواغیت کی پیداوار ہے۔اس کے باوجود بھی لوگ دین کی طرح اس میں داخل ہورہے ہیں۔(لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ یہودیت اورعیسائیت قبول کرنے کو براسمجھتے ہیں جبکہ دین جمہوریت یا سوشلزم کوقبول کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔یہ یادرکھنا چاہیئے کہ یہودیت اورعیسائیت کی طرح جمہوریت بھی ایک دین اوردستورحیات کا نام ہے۔یہودیت اورعیسائیت اگر باطل دین کا نام ہےتو جمہوریت کا بطلان اس سے بھی زیادہ ہے۔کیونکہ اول الذکر کی اصل تو پھر بھی آسمانی ہے جبکہ ثانی

الذکر تو خالصتاً انسانی عقل اور خواہشات کی پیداوار ہے۔)

اس نظام سے فیصلے کرواتے ہیں اور اس نظام کی تعریفیں کرتے ہیں اور ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی محسوس نہیں کرتے۔اس برائی سے صرف وہی محفوظ ہیں جن پر اللہ تعالی کی خاص رحمت اور کرم نوازی ہے اور موجودہ دور میں ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

20-ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جارہی ہو:

موجودہ دور میں اللہ تعالی کے علاوہ پوجے جانے والے طواغیت بے شمار ہیں اور وہ مختلف اقسام اور شکل و صورت کے حامل ہیں، ایک کتاب میں ان کا شمار بہت مشکل ہے۔اس لئے طواغیت کی پہچان کے لئے وہ کلیہ اور ضابطہ دوبارہ دہرایا جارہا ہے جسے گذشتہ اوراق میں ذکر کیا جاچکا ہے تاکہ ان طاغوتوں کو بھی پہچانا جاسکے جو تذکرے سے رہ گئے ہیں۔وہ ضابطہ یہ ہے کہ: ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جارہی ہو اور اس کے لئے عبادت کا کوئی بھی پہلو اختیار کیا جارہا ہو، وہ اس پر راضی (اگر معبود کا تعلق جمادات، حیوانات یا نباتات میں سے کسی نوع کے ساتھ ہو تو اس کے لئے یہ قید اور شرط نہیں ہوگی۔اہل علم نے یہ شرط اس لئے لگائی ہے تاکہ اس کے ذریعے انبیاء، فرشتوں اور نیک لوگوں کو اس تعریف اور طاغوت کے احکام سے خارج کردیا جائے کیونکہ عموماً جاہل قسم کے لوگ ان ہستیوں کے مقام اور مرتبہ کی وجہ سے انہیں پوجنا شروع کردیتے ہیں اور اس میں ان کی اپنی مرضی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔)

بھی ہو تو یہ طاغوت ہے جس سے اجتناب کرنا اور اس کا نکار کرنا آپ پر لازم اور ضروری ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں: طاغوت بہت زیادہ ہیں جن میں بڑے بڑے پانچ ہیں۔ان میں ایک وہ بھی ہے جس کی اللہ تعالی کے علاوہ عبادت کی جارہی ہو اور وہ اس عبادت پر راضی ہو۔اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:﴿وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّىٓ إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِۦ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلظَّٰلِمِينَ﴾الأنبیاء:۲۹ (مجموعۃ التوحید،صفحہ:۹)

ان میں سے اگر کوئی بھی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں لائق عبادت ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں گے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

طاغوت کی جو مختلف قسمیں ہم نے یہاں ذکر کی ہیں انہیں ایک عمومی عنوان سمجھا جائے گا جس کے تحت

تمام طاغوت شامل ہیں۔ان اقسام پر قیاس کرتے ہوئے اوران کے ساتھ تقابل کرتے ہوئے باقی تمام طاغوتوں کو پہچانا جائے گا جن میں کچھ ظاہری ہیں اور کچھ مخفی ہیں۔(کچھ طاغوت مخفی ہوتے ہیں جن کی معرفت سے اکثر لوگ غافل رہتے ہیں: مختلف تہواروں کے موقع پر کئے جانے والے بہت سے ایسے خلاف شرع رسوم ورواج، جن کو چھوڑ دینا یا جن سے رجوع کرنا کچھ جاہل قسم کے لوگوں کے لئے ممکن نہیں ہوتا۔

اسی طرح کلچر، آرٹ اور کھیل کے نام پر عوام پر بہت سی چیزیں مسلط کردی جاتی ہیں جن میں حیاء باختہ فلمیں اور ڈرامے شامل ہیں۔اکثر لوگ فٹ بال اور اس قسم کی دوسری کھیلوں کے پجاری ہوتے ہیں۔کتنے ایسے لوگ ہیں جو ایک ٹیم کی بجائے دوسری ٹیم کی حمایت کرنے کی پاداش میں قتل کردئے گئے۔کتنے لوگوں نے صرف اس بنا پر اپنی بیویوں کو طلاق دے دی کہ وہ ان کی مخالف ٹیم کی حمایتی تھیں۔اسی طرح عالم موسیقی کے وہ نامور ستارے جنہیں فنکاروں کا نام دیا جاتا ہے۔اگر آپ ان ظاہری اور خفیہ طاغوتوں کے حالات کو دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ان سب کو اللہ تعالی کے علاوہ پوجا جارہا ہے اگرچہ ان کے لئے عبادت کا کوئی خاص پہلو ہی استعمال کیا جارہا ہو۔)

یہ سبھی بین الاقوامی طاغوت ہیں ان کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ لوگ ان سے خود بھی بچیں دوسروں کو بھی بچائیں اور ان کا انکار بھی کریں۔اس کے باوجود اگر آپ ان طاغوتوں اور ان کے ساتھ لوگوں کے معاملے کو دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اکثر لوگ اللہ تعالی کی عبادت سے ہٹ کر طاغوت کے عبادت گذار بن چکے ہیں، اللہ تعالی کی اطاعت کو چھوڑ کر طاغوت کے اطاعت شعار بن چکے ہیں۔اللہ تعالی کے لئے دوستی اور دشمنی اختیار کرنے کی بجائے طاغوت کے لئے ایسا سب کچھ کرتے ہیں۔اللہ تعالی اور اس کے رسول سے فیصلہ کروانے کی بجائے طاغوت سے فیصلہ کرواتے ہیں۔اللہ تعالی کے دین میں داخل ہونے کی بجائے طاغوت اور اس کے حزب میں داخل ہونا باعث فخر سمجھتے ہیں۔اگرچہ یہ لوگ مسلمانوں جیسے نام رکھتے پھریں اور خود کو مسلمان سمجھتے رہیں لیکن ان کی عملی زندگی ان کے قول کی مخالفت کررہی ہے۔

یہ صورت حال دین کے داعیوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنی گہری نیند سے بیدار ہوں اور موجودہ دور کی مشکلات اور دین کی حقیقت اور لوگوں کے درمیان واقع اس گہری خلیج کے بارے میں آگاہی حاصل کریں، تاکہ انہیں پتہ چلے کہ وہ دین کی دعوت کو نئے سرے سے کس طرح شروع کریں کہ لوگ ان

کے اردگرد اکٹھے ہو جائیں۔شاید اس طرح اللہ تعالی ہماری حالت بدل کر ہمیں دوبارہ سے ایک بہترین قوم بنادے۔اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے۔

طاغوت کے ساتھ برتاؤ کرنے کے بارے میں شرعی نقطہ نظر:

اب بعض ایسے مسائل ذکر کئے جاتے ہیں جن کا تعلق اس بات کے ساتھ ہے کہ طاغوت کے ساتھ برتاؤ کرنے کے بارے میں شرعی نقطہ نظر کیا ہے۔

1-توحید اور ایمان کی صحت کے لئے طاغوت کا انکار بنیادی شرط ہے:

اسلام کا سب سے بڑا رکن جسے رسول لے کر آئے ہیں وہ ایمان باللہ اور کفر بالطاغوت ہے۔یہی وہ مقصد عظیم ہے جس کے لئے رسولوں کو بھیجا گیا اور شریعتیں نازل کی گئیں۔یہ ایک ایسا فریضہ ہے جسے نماز، روزہ زکوۃ اور حج بیت اللہ اور دوسرے فرائض ونوافل سے بھی پہلے پورا کرنا ضروری ہے۔جب تک طاغوت کا انکار نہ کر دیا جائے اس وقت تک نہ تو اللہ تعالی کی توحید پر ایمان مکمل ہوتا ہے، نہ کوئی عمل قبول ہوتا ہے اور نہ ہی انسان کی جان اور مال محفوظ ہو سکتے ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ النحل:٣٦

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔

یہ تمام پیغمبروں کی پہلی ذمہ داری تھی اور کوئی بھی اس سے مستثنی نہیں تھا۔

اور فرمایا:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىَ لاَ انفِصَامَ لَهَا وَاللّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ البقرہ:٢٥٦

اس لئے جو شخص اللہ تعالی کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالی پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالی سننے والا، جاننے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں طاغوت کے انکار کو ایمان باللہ پر مقدم کیا گیا ہے اور ایسا مندرجہ ذیل مقاصد کے تحت کیا گیا ہے۔

1- طاغوت کا انکار کرنے کے معاملہ کو حقیر نہ سمجھا جائے۔

2- طاغوت کا انکار کرنا ایسی اصل ہے جس پر تمام اصول وفروع کی بنیاد ہے۔

3- ضروری ہے کہ ایمان کا اظہار کرنے سے پہلے طاغوت کا انکار کیا جائے۔اگر طاغوت کا انکار کرنے کے بغیر ہی ایمان کا اظہار کر دیا گیا تو ایسا ایمان اس وقت تک فائدہ نہیں دے سکتا جب تک طاغوت کا انکار نہیں کیا جاتا اور شرک سے اجتناب نہیں کیا جاتا۔

4- ایمان باللہ اور ایمان بالطاغوت دونوں کا کسی ایک آدمی کے دل میں اکٹھا ہونا ممکن نہیں خواہ ایسا ایک لمحے کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔کیونکہ دونوں میں سے ایک پر ایمان دوسرے کی نفی کو مستلزم ہے ۔حدیث مبارکہ میں ہے: ایمان اور کفر دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔(السلسلۃ الصحیحۃ:١٠٥٠) یا تو اللہ تعالی پر اس صورت میں ایمان ہوگا کہ اس سے پہلے طاغوت کا انکار کرنا لازمی ہوگا۔دوسری صورت میں طاغوت پر ایمان ہوگا جس سے اللہ تعالی کا انکار لازم آئے گا۔اللہ تعالی پر ایمان اور طاغوت پر ایمان دونوں آن واحد اکٹھے نہیں ہو سکتے یہ ایک وقت میں ایک چیز اور اس کی ضد کو اکٹھا کرنے کے مترادف ہے۔

''عروۃ الوثقی'' کے مفہوم کے بارے میں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں: کسی نے کہا ہے: اس سے مراد ایمان ہے، کسی نے کہا ہے اس سے مراد اسلام ہے اور کسی کے کہنے کے مطابق اس سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔یہ تمام اقوال آپس میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔(تفسیر ابن کثیر)

آیت کا مفہوم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جو اللہ تعالی پر ایمان لایا اور اس نے طاغوت کا انکار نہ کیا، یا اس نے طاغوت کا تو انکار کیا لیکن اللہ تعالی پر ایمان نہ لایا وہ عروۃ الوثقی کو تھامنے والا نہیں ہے اور نہ ہی وہ کلمہء توحید کی گواہی میں سچا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے ثابت شدہ صحیح حدیث میں ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور اللہ تعالی کے علاوہ پوجی جانے والی ہر چیز کا انکار کیا اس کا مال اور خون حرام ہے اور اس کا حساب اللہ تعالی کے ذمہ ہے۔ (صحیح مسلم)

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانا: "و کفر بما یعبد من دون الله" یعنی اس نے اللہ تعالی کے علاوہ پوجی جانے والی ہر چیز کا انکار کیا، نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ اس کا خون اور مال صرف اسی صورت میں محفوظ ہوگا اگر اس نے اس میں کسی قسم کے شک کا اظہار کیا تو اس کا خون اور مال محفوظ نہیں ہوگا۔

انسان اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ طاغوت کا انکار نہیں کر دیتا۔ اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے:

﴿ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لاَ انفِصَامَ لَهَا وَاللّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾ البقرۃ:۲۵۶

اس لئے جو شخص اللہ تعالی کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالی پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالی سننے والا، جاننے والا ہے۔

آیت میں وارد ہونے والے کلمہ "رشد" سے مراد دین محمد ہے اور "غي" سے مراد دین ابوجہل ہے۔ اور "عروۃ الوثقی" سے مراد لا الہ الا اللہ کا اقرار ہے۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کے دو حصے ہیں ایک نفی اور دوسرا اثبات۔ یہ غیر اللہ کے لئے عبادت کی تمام انواع کی نفی کرتا ہے اور عبادت کی تمام اقسام کو صرف اور صرف اللہ تعالی کے لئے ثابت کرتا ہے۔ (مجموعۃ التوحید، صفحہ:۱۰، ۳۵)

ابو محمد المقدسی فرماتے ہیں: یہ اسلام کے تمام سہاروں میں سب سے مضبوط سہارا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا کام، جہاد، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج غرض کوئی ایسا عمل نہیں جو اس کے بغیر قبول ہوتا ہو۔ اس سہارے کو تھامے بغیر آگ سے نجات بھی ممکن نہیں ہے۔ یہی وہ واحد سہارا ہے جسے نہ چھوڑنے اور مضبوطی سے تھامے رکھنے کی اللہ تعالی نے ہم سے ضمانت لی ہے۔ اس سہارے کے علاوہ اسلام کے دوسرے جتنے

سہارے ہیں ان میں سے ہرایک جداگانہ طور پر نجات کے لئے ضمانت نہیں ہے صرف یہی ایک سہارا ایساہے جواکیلا ہی بندے کونجات کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرُ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لاَ انفِصَامَ لَهَا ﴾البقرة:۲۵۶

ہدایت ضلالت سے روشن ہوچکی ہے، اس لئے جوشخص اللہ تعالی کے سوا دوسرے معبودوں کا انکارکر کے اللہ تعالی پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کوتھام لیا، جوکبھی نہ ٹوٹے گا۔

غور کیجئے! اللہ تعالی نے قرآن کریم میں طاغوت کے انکاراوراس سے اجتناب کواپنی ذات پر ایمان اور اپنی طرف رجوع کرنے پرکس طرح مقدم کیاہے۔یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالی نے کلمہء توحید میں نفی کواثبات پر مقدم کیا ہے۔نفی کواثبات پر مقدم کرنے کا بنیادی مقصد اس رکن عظیم یعنی توحید کا عروۃ الوثقی کے ساتھ تعلق پیدا کرنا ہے۔اللہ تعالی پر ایمان اس وقت تک درست اور فائدہ مند ثابت نہیں ہوسکتا جب تک پہلے طاغوت کا انکارنہ کردیا جائے۔(کتاب ''الدیمقراطیة دین'' سے ماخوذ۔یہ کتاب ہمارے مجاہد بھائی ابومحمد کی تالیف ہے۔اللہ تعالی ان کی حفاظت فرمائے اورانہیں جلد قید سے رہائی نصیب فرمائے۔انہیں طاغوت کی جیلوں میں گرفتار ہوئے تقریبا تین سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے۔ان کا سوائے اس کے کوئی جرم نہیں کہ انہوں نے علی الاعلان یہ اعلان کیا تھا کہ: أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ)

2-ایسے شخص کا حکم جولا الہ اِلا اللہ کا اقرار کرتا ہےلیکن طاغوت کا انکارنہیں کرتا:

جولا الہ الا اللہ کا اقرار کرتا ہے لیکن طاغوت کا انکارنہیں کرتا وہ ایک وقت میں دومتضاد چیزوں کواکٹھا کررہاہے جوکہ ایک غیر ممکن سی بات ہے۔کیونکہ کلمہ توحید کے ایک حصہ کے نفی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے طاغوت کا انکارخوداسی کلمہ میں ہی شامل ہے۔اس لئے جوکلمہ توحید کا اقرار کرنے کے باوجود طاغوت کا انکارنہیں کرتاوہ ایسا ہے جیسے وہ ایک طرف تو یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود نہیں جبکہ دوسری طرف عملی طور پر وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالی کے علاوہ اوربھی معبود ہیں۔

ایسا شخص اپنے دعوی توحید میں کذاب،منافق،زندیق اوراللہ تعالی کے دین کے ساتھ مذاق کرنے والا ہے۔یہ شخص کافراورمرتد بھی ہے۔اس شخص کاارتداد عام مرتد سے زیادہ سخت ہوگا کیونکہ وہ اس جرم کا بار

بار بار ارتکاب کرتا ہے اور اسے بالکل حقیر سمجھتا ہے۔اس شخص پر مختلف جرائم کے حوالے سے جو فرد جرم عائد کی گئی ہے اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

اسے کذاب اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ وہ دو متضاد چیزوں کو اکٹھا کر رہا ہے۔ایک طرف تو وہ اللہ تعالی کے علاوہ تمام معبودوں کا انکار کر رہا ہے اور دوسری طرف وہ طاغوت کو تسلیم کر رہا ہے اور اللہ تعالی کے علاوہ اس کی عبادت کر رہا ہے۔

منافق بھی اسے دو متضاد چیزوں کا اقرار کرنے کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ایک طرف وہ اپنی زبان سے توحید کا اقرار کر رہا ہے اور دوسری طرف وہ خفیہ طور پر کفر اور طاغوت کی عبادت کو اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہے۔

کفر،انکار اور طاغوت کا عبادت گذار ہونا اس کے زندیق ہونے کا سبب ہے۔جب کبھی اس کے کفر پر حجت قائم کی جائے تو وہ فوراً اس کا انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو مسلمان ہوں اور کلمہء توحید کا اقرار کرنے والا ہوں۔

اللہ تعالی کے دین کے ساتھ مذاق کرنے والا اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ وہ ایک دن رات میں سینکڑوں مرتبہ اللہ تعالی کی توحید کا اعلان کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کے منافی اور اسے توڑ دینے والے امور کا ارتکاب کرنے میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں کرتا۔بھلا اللہ تعالی کے دین کے ساتھ اس مذاق سے بڑھ کر بھی کوئی مذاق ہوسکتا ہے،اور اس سے بڑھ کر بھی اللہ تعالی کے دین کی کوئی توہین ہوسکتی ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ایک اثر ذکر کیا جاتا ہے:ایک دفعہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک سو مرتبہ طلاق دی ہے۔ابن عباسؓ فرمانے لگے:اسے تیری طرف سے تین طلاقیں مل گئی ہیں اور تو نے باقی ستانوے طلاقوں کے ذریعے اللہ تعالی کے دین سے مذاق کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے طلاق کے بارے میں اللہ تعالی کی مقرر کردہ حد کا خیال نہیں رکھا۔اگر معاملہ اس قدر سنگین ہے تو جو شخص کفر اور ایمان کو مذاق بنا لے یعنی ایک دن اور رات میں کئی ایمان کا اقرار

کرے اور اسے توڑ بھی دے اور ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی محسوس نہ کرے تو اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ شخص بلاشک وشبہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے دین کا مذاق اڑانے اور اسے کھیل تماشہ بنانے کی صفت سے متصف کیا جائے۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کا دین توحید تھا۔توحید کلمہ لا الہ الا اللہ کی معرفت اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کا نام ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ اس کلمہ کو تو سبھی لوگ پڑھتے ہیں۔تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ: بعض لوگ اسے پڑھنے کے بعد اس کا صرف یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی خالق نہیں، اللہ تعالی کے علاوہ کوئی رازق نہیں، اس میں اس طرح کے دوسرے بھی کئی معانی شامل ہیں۔(یعنی یہ لوگ اس کلمہ سے صرف توحید ربوبیت مراد لیتے ہیں۔جبکہ توحید کی صرف یہ ایک اکیلی قسم بندے کی نجات کی ضامن نہیں ہے۔اور نہ ہی اس سے بندہ دائرہ ایمان اور اسلام میں داخل ہوسکتا ہے۔مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ توحید ربوبیت کے ساتھ ساتھ توحید الوہیت یا عبودیت کا بھی اقرار کیا جائے۔)

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بالکل ہی اس کلمہ کے معنی اور مفہوم سے نابلد ہوتے ہیں۔(ایسا شخص کافر ہے، کیونکہ وہ اس کی حقیقت کا اعتقاد نہیں رکھتا۔اعتقاد کے لوازمات اور شرائط میں سے یہ بات ہے کہ جس چیز کا اعتقاد رکھا جارہا ہو اس کے بارے میں مکمل علم اور فہم موجود ہونا چاہئے، کیونکہ کسی چیز سے لاعلم انسان ایسا ہے گویا اس کے پاس وہ چیز موجود ہی نہیں ہے۔)

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس کلمہ کے تقاضوں کو پورا کرنے والے نہیں ہوتے۔(یہ شخص بھی کافر ہے، کیونکہ کلمہ توحید کے تقاضوں کو پورا کرنا ایمان کی صحت کی بنیادی شرط ہے۔کلمہ توحید کا سب سے بڑا تقاضا شرک اور غیر اللہ کی عبادت سے اجتناب کرنا ہے۔اس شخص نے یہ تقاضا پورا نہیں کیا اس لئے یہ کافر ہے۔شیخ محمد بن عبدالوہابؒ فرماتے ہیں: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ توحید دل، زبان اور عمل کے ساتھ ہونی چاہئے اگر ان میں سے کسی ایک چیز میں بھی اختلاف ہوا تو اس سے بندہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔اگر بندہ توحید کو جانتا ہو لیکن اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرے تو وہ فرعون، ابلیس اور اس طرح کے دوسرے سرکشوں جیسا سرکش ہوگا۔)

بعض وہ ہیں جو اس کلمہ کی حقیقت سے باخبر نہیں ہوتے۔(اس کا حکم اس شخص جیسا ہے جو اس کلمہ کے معنی کو نہیں سمجھتا۔اگر اس کی بے خبری کسی ایسے عذر کی وجہ سے ہو جسے دور کرنا ممکن نہ ہو تو اسے اس عذر کے دور ہونے تک معذور

سمجھا جائے گا۔کیونکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ کسی عاجزی کی وجہ سے کسی کا مکلّف ہونا اوراس کا مواخذہ کیا جانا ساقط ہوجاتا ہے۔)

اس سے زیادہ قابل تعجب وہ ہے جو ایک طرف اس کلمہ کو پہچانتا ہے اور دوسری طرف اس سے اوراس کے ماننے والوں سے دشمنی رکھتا ہے۔اس سے بھی زیادہ قابل تعجب وہ ہے جو اس کلمہ سے محبت کرتا ہے اوراس کے ماننے والوں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے اوراس کے باوجود اس کے دوستوں اور دشمنوں کے درمیان فرق نہیں کر پاتا۔(ان سب سے زیادہ قابل تعجب وہ ہے جو اس کی محبت کا دعوی کرتا ہے اور اس کی طرف بلاتا ہے،اس کے باوجود وہ اس کے دوستوں کے بجائے اس کے دشمنوں سے دوستی رکھتا ہے۔موجودہ دور میں ایسے لوگ بے شمار پائے جاتے ہیں۔)

سبحان اللہ ! کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک دین میں دو جماعتیں ہوں اور وہ سبھی حق پر ہونے کی دعویدار ہوں۔اللہ کی قسم ! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کیونکہ حق کے بعد گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں۔(الرسائل الشخصیة :۱۸۲)

اس کے کافر اور مرتد ہونے میں کسی قسم کا کوئی مخفی پہلو نہیں۔کیونکہ وہ اسلام میں داخل ہونے اورکلمہ توحید کا اقرار کرنے کے باوجود اللہ تعالی کے ساتھ یا اس کے علاوہ دوسرے معبودوں کی عبادت پر لگا ہوا ہے

۔

شرک تمام اعمال کو ضائع کردینے کا باعث ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُواْ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُواْ يَعْمَلُونَ﴾الأنعام:۸۸

اگر فرضا یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہوجاتے۔

اس شخص کے ارتداد کے سخت ہونے اوراسے بغیر توبہ کروائے قتل کردینے کا سبب یہ ہے کہ اس نے توحید کو کھیل سمجھ رکھا ہے۔اور بار بار ارتداد کا ارتکاب کرتا ہے اوراس میں کوئی حرج بھی نہیں سمجھتا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ آمَنُواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ ازْدَادُواْ كُفْراً لَّمْ يَكُنِ اللّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلاَ لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلاً﴾النساء:۱۳۷

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا، پھر ایمان لا کر پھر کفر کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے ،اللہ تعالی یقیناً انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ ہدایت سمجھائے گا۔

اور فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ﴾آل عمران:۹۰

بے شک جو لوگ اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کریں پھر کفر میں بڑھ جائیں، ان کی توبہ ہرگز ہرگز قبول نہ کی جائے گی، یہی گمراہ لوگ ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالی نے خبر دی ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر میں زیادہ بڑھ گیا اس کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ قبولیت توبہ کے حوالے سے کفر مزید اور کفر مجرد میں فرق کیا گیا ہے ان میں مقدم الذکر موخر الذکر سے زیادہ شدت کا حامل ہے۔ جس شخص کا یہ خیال ہو کہ ایمان کے بعد ہر کفر قابل معافی ہے اس نے قرآنی نص کی مخالفت کی ہے۔ (الصارم المسلول:۳۶۸)

ابن ضویان کی منار السبیل میں ہے: جو شخص بار بار ارتداد کا ارتکاب کرے اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اس کے بار بار مرتد ہونے سے اس کے عقیدے کے فاسد ہونے کے بارے میں پتہ چلتا ہے، اور یہ بھی کہ اس کے ہاں اسلام کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ (منار السبیل:۲/۴۰۹)

جو شخص طاغوت کا انکار نہیں کرے گا اسے کلمہ توحید کا اقرار کوئی فائدہ نہیں دے سکتا اور نہ ہی نماز، حج، زکاۃ، روزہ وغیرہ اور اس طرح کے دوسرے اعمال اسے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ آن واحد میں توحید اور اس کا انکار کرنے والے امور کا مرتکب ہو رہا ہے۔

شیخ ابن بازؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالی کی عبودیت کا اقرار اور طاغوت کی عبادت اور اس سے فیصلہ کروانے سے براءت کا اظہار کلمہ توحید کا لازمی تقاضا ہے۔ (رسالۃ وجوب تحکیم شرع اللہ)

جو شخص اپنا اور اپنے اہل وعیال کا خیر خواہ ہے اور وہ آگ سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اسے یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ کلمہ توحید کی گواہی ہی اصل میں عروۃ الوثقی اور کلمہ تقوی ہے۔ اللہ تعالی اس کے

بغیر کسی کا کوئی عمل قبول نہیں کرتے۔اس کلمہ کی معرفت حاصل کئے بغیر اوراس پر عمل کئے بغیر نہ تو کسی کی نماز قبول ہوتی ہے، نہ روزہ، نہ حج نہ زکوۃ حتی کہ کوئی بھی نیک عمل قبول نہیں کیا جا سکتا۔کلمہء توحید کا یہی تقاضا ہے اور یہی بندوں پر اللہ تعالی کا حق ہے۔(الرسائل الشخصیۃ از شیخ محمد بن عبدالوہاب،صفحہ:۱۹۲)

3-طاغوت کے ساتھ کفر کا طریقہ:

یہ بات جان لینے کے بعد کہ طاغوت کا انکار کرنا لازمی امر ہے اوراس کے انکار کے بغیر انسان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا طاغوت کے انکار کے طریقے کا جاننا بھی بہت ضروری ہے تاکہ عملی زندگی میں اس کی مشق کی جاسکے۔طاغوت کے انکار کا اگر صرف زبانی طور پر دعوی کیا گیا اور عملی زندگی میں اس کا کوئی اظہار نہ کیا گیا تو اس پر اللہ تعالی کا یہ فرمان صادق آئے گا:

﴿كَبُرَ مَقْتاً عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ الصّف:۳

تم جو کرتے نہیں اس کا کہنا اللہ کو سخت ناپسند ہے۔

-طاغوت کے انکار کا ایک طریقہ یہ ہے کہ انہیں کافر قرار دیا جائے گا۔

ارشاد باری تعالی ہے:﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ...... ﴾ الکافرون:۱۔انہیں صفت کفر کے ساتھ مخاطب کرنا ضروری ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّن دُونِهِ فَذَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾ الأنبیاء:۲۹

ان میں سے اگر کوئی بھی کہہ دے کہ اللہ کے سوا میں لائق عبادت ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

یہ کافروں کے حق میں اللہ تعالی کی وعید ہے۔

-طواغیت کا انکار اس طریقے سے بھی ہوگا کہ ان سے اوران کے معبودوں سے عداوت،بغض اور براءت کا اظہار کیا جائے۔۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءاؤا مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءِ أَبَداً حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ﴾ الممتحنۃ:۴

(مسلمانو!) تمہارے لئے (ابراہیم) میں اوران کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ان سب سے بالکل بیزار ہیں۔ ہم تمہارے (عقائد کے) منکر ہیں جب تک تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے بغض وعداوت ظاہر ہوگئی۔

اللہ تعالی کے فرمان (بَــــدَا) پر غور کیجئے! یہ انتہاء درجے کے اظہار اور وضاحت کا فائدہ دیتا ہے۔اسی طرح لفظ (الْعَدَاوَةُ) جو کہ ظاہری اعضاء وجوارح سے واقع ہوتی کو لفظ (الْبَغْضَاء) پر مقدم کیا گیا ہے جس کا محل باطنی عضو یعنی قلب ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان سے اس قدر ظاہر اور واضح انداز میں عداوت اور دشمنی کا اظہار کیا جائے کہ اس میں کسی قسم کے اخفاء یا ابہام کا شائبہ تک نہ ہو۔ان سے دشمنی اور عداوت کا اظہار کرنے کے حوالے سے یہ بات کفایت نہیں کرسکتی کہ ہم دلوں میں تو ان کے بارے میں بغض کو چھپائے رکھیں جبکہ ظاہری طور پر ان سے صلح اور محبت جتاتے رہیں۔

اس کے بعد دیکھئے! عبادت گذاروں اوران کے شرک سے براءت کا اظہار معبودوں سے پہلے کیا گیا ہے۔ایسا ایک بہت بڑے مقصد کے تحت کیا گیا ہے۔ کیونکہ عابد اوراس کے شرک سے براءت کا اظہار کرنے سے معبود سے بھی براءت ہوجاتی ہے جبکہ اگر اس کے عکس کیا جائے تو ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ معبودوں سے براءت کا اظہار عابد اوران کے شرک سے براءت کے اظہار کو مستلزم نہیں ہے۔

اللہ تعالی ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاء مِّمَّا تَعْبُدُونَ ☆ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ﴾ الزخرف:۲۶-۲۷

اور جبکہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو☆ بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا۔

اور فرمایا:

﴿قَالَ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ☆ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ☆ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ﴾ الشعراء:۷۵-۷۷

آپ نے فرمایا کچھ خبر بھی ہے جنہیں تم پوج رہے ہو؟ ☆تم اور تمہارے اگلے باپ دادا☆ وہ سب میرے دشمن ہیں بجز سچے اللہ تعالی کے وہ تمام جہان کا پالنہار ہے☆

اور فرمایا:

﴿أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ الأنبیاء:٦٧

تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو۔ کیا تمہیں اتنی سی عقل بھی نہیں؟

اس حوالے سے یہی بہترین نمونہ ہے جس کی اقتداء کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اور یہی وہ دین ابراہیمی ہے جس سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بے وقوف ہو۔

﴿وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ﴾ البقرہ:۱۳۰)

دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بے وقوف ہو۔

-طاغوت کا انکار ان سے اجتناب کرنے، علیحدگی اختیار کرنے اور میل جول نہ رکھنے کی صورت میں بھی ہوگا۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى فَبَشِّرْ عِبَادِ﴾ الزمر:۱۷

اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز کیا اور (ہمہ تن) اللہ تعالی کی طرف متوجہ رہے وہ خوش خبری کے مستحق ہیں، میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

اور فرمایا:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ﴾ النحل:۳۶

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔

ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ﴾ مریم:۴۸

میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ تعالی کے سوا پکارتے ہو انہیں بھی سب کو چھوڑ رہا ہوں۔

اور فرمایا:

﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلّاً جَعَلْنَا نَبِيّاً﴾ مریم:۴۹

جب ابراہیم (علیہ السلام) ان سب کو اور اللہ کے سوا ان کے سب معبودوں کو چھوڑ چکے تو ہم نے انہیں اسحق و یعقوب (علیہما السلام) عطا فرمائے، اور دونوں کو نبی بنا دیا۔

اللہ تعالی نے ان کی اولاد میں انہیں جو نیکو کار نبی عطاء کئے یہ صرف ان کی طرف سے طاغوت اور ان کے عبادت گذاروں سے براءت کا اظہار کرنے کی برکت سے تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر کوئی بانجھ شخص اس بات کا طلبگار ہو کہ اسے نیکو کار نرینہ اولاد مل جائے تو اس کے لئے طواغیت سے علیحدگی اختیار کرنے اور ان کا انکار کرنے سے بڑھ کر بھی کوئی دوا مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔

-طواغیت کے انکار کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان پر سختی کی جائے۔۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلْيَجِدُواْ فِيكُمْ غِلْظَةً﴾ التوبہ:۱۲۳

اوران کوتمہارے اندرسختی پانا چاہیئے۔

اور فرمایا:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ﴾الفتح:۲۹

محمد(ﷺ)اللہ کے رسول ہیں اور جولوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں۔

-طواغیت کا انکار استطاعت ہونے کی صورت میں ان کے خلاف جہاد کرنے سے بھی ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَقَاتِلُواْ أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لاَ أَيْمَانَ لَهُمْ﴾التوبہ:۱۲

توتم بھی ان سرداران کفر سے بھڑ جاؤ۔ان کی قسمیں کوئی چیزنہیں۔

کفر کے سردار ہی اصل طاغوت ہیں۔

اور فرمایا:

﴿ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ ﴾التوبہ:۱۴

ان سے تم جنگ کرو اللہ تعالی انہیں تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا،انہیں ذلیل ورسوا کرے گا، تمہیں ان پر مدد دے گا۔

-طواغیت کے انکار کالازمی خاصہ یہ بھی ہے کہ ان سے دوستی اور محبت نہ رکھی جائے،ان کی طرف میلان نہ رکھا جائے اور نہ ہی ان سے کسی قسم کا کوئی معاہدہ کیا جائے۔۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاء ﴾الکہف:۱۰۲

کیا کافر یہ خیال کیئے بیٹھے ہیں؟ کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالیں گے؟

ایسا ہونا بہت مشکل ہے صرف اسی صورت میں یہ ہوسکتا ہے کہ جب اللہ تعالی کے بندے کفر کو ترجیح دینا شروع کردیں اور ایمان سے بالکل ہی خارج ہوجائیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاء ﴾النساء:١٤٤

اے ایمان والو! کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

اور فرمایا:

﴿وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ﴾المائدہ:٥١

تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے۔

اور فرمایا:

﴿ لاَ تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ﴾المجادلة:٢٢

اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے۔

اور فرمایا:

﴿ لاَ تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاء تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ ﴾الممتحنة:١

میرے اور (خود) اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو۔

اور فرمایا:

﴿وَلاَ تَرْكَنُواْ إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُواْ فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللّهِ مِنْ أَوْلِيَاء ثُمَّ لاَ تُنصَرُونَ﴾ هود:١١٣

دیکھو ظالموں کی طرف ہرگز نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی (دوزخ کی) آگ لگ جائے گی اور اللہ کے سوا اور تمہارا امددگار نہ کھڑا ہو سکے گا اور نہ تم مدد دیے جاؤ گے۔

ابن عباسؓ "ولا ترکنوا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس کا مطلب ہے "ولا تمیلوا" یعنی تم مائل مت ہو جاؤ۔

ثوری کہتے ہیں: جس نے ان کے لئے دوات بنائی، یا ان کے لئے قلم تراشی یا انہیں کاغذ پکڑایا وہ بھی اسی حکم میں داخل ہوگا۔

ابن مسعودؓ ﴿جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وہ ان کے خلاف اپنے ہاتھ سے جہاد کرے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان کے ساتھ، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے۔ جب ان سے ملاقات ہو تو غصے اور بغض کے ساتھ اس کے چہرے کا رنگ تبدیل ہونا چاہیئے۔ (مجموعۃ التوحید، رسالۃ أوثق عری الإیمان، از شیخ سلیمان آل شیخ)

طواغیت کے انکار کے یہی طریقے ہیں جو بیان کئے گئے ہیں۔ یہ طریقے ضرور اختیار کئے جانے چاہئیں۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی طواغیت کے لئے اپنی دوستی اور محبت کو فراخ کردے، ان کی طرف مائل ہوجائے، ان کا دفاع کرے، ان کے لئے قرآن وحدیث کے احکام میں تاویل کرے، ان سے دشمنی رکھنے والے اہل توحید کے مقابلے میں ان کی مدد کرے، اس کے باوجود بھی وہ شخص یہ خیال کرے کہ وہ طواغیت کا انکار کررہا ہے؟ ایسا شخص کبھی بھی اللہ تعالی پر ایمان لانے والا اور طاغوت کا انکار کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ بڑی عجیب بات ہے جس پر جتنا بھی تعجب کیا جائے کم ہے کہ کوئی طاغوت کا حمایتی بھی ہو اور اس کا انکار کرنے کا دعویدار بھی ہو۔

اس سے بھی زیادہ قابل تعجب وہ لوگ ہیں جو کسی خوف یا لالچ کی وجہ سے طواغیت کا انکار کرنے، ان سے بغض وعداوت کا اظہار کرنے اور ان کے خلاف جہاد کرنے کو ایک بہت بڑا فتنہ سمجھتے ہوئے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر وہ ان نصوص شریعت کو جو مسلمانوں اور ان کے امراء کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان طواغیت پر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن میں کفر اور نفاق کی تمام خصلتیں جمع ہوچکی ہوتی ہیں۔

اس قسم کے اور ان کے طریقے پر چلنے والے لوگوں کے بارے میں ہم کہتے ہیں: کوئی بھی نبی ایسا نہیں تھا جسے اللہ تعالی نے کسی ایک طاغوت یا بہت سے طواغیت کے ساتھ آزمایا نہ ہو۔ نبی ان طواغیت کے ساتھ جہاد کرتے رہے اور ان کے کفر اور شرک کو باطل ثابت کرتے رہے۔ اس جہاد کا ایک مقصد یہ بھی

تھا تا کہ اس کے ذریعے لوگوں کی چھان پھٹک ہوسکے، صبر کرنے والے مجاہدوں اور بیٹھ رہنے والے دھوکے باز منافقوں کا بھی پتہ چل سکے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ﴾ محمد:۳۱

یقیناً ہم تمہارا امتحان کریں گے تا کہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو ظاہر کردیں اور ہم تمہاری حالتوں کی بھی جانچ کرلیں۔

اور فرمایا:

﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾ العنکبوت:۲

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے صرف اس دعوے پر کہ ہم ایمان لائے ہیں ہم انہیں بغیر آزمائے ہوئے ہی چھوڑ دیں گے؟

تم کس بنا پر انبیاء کی اقتداء کرنے کے دعویدار ہوسکتے ہو حالانکہ تم تو چاہتے ہی نہیں ہو کہ تمہیں کچھ طواغیت کے ذریعے آزمایا جائے اور ان سے جہاد اور لڑائی کے ذریعے تم حق اور توحید کو غالب کرسکو۔

تم کس بنا پر انبیاء اور ان کے پیروکار اس امت کے باعمل علماء کے ترجمان بنے پھرتے ہو حالانکہ ان کی طرح تمہارے مقابلے میں ایسے طواغیت ہی نہیں ہیں جن سے تم جہاد کرسکو اور جن کے ذریعے تمہاری آزمائش ہوسکے، باوجود اس کے کہ یہ زمین ایسے ہزاروں طواغیت سے بھری ہوئی ہے جنہیں دن کی روشنی میں علانیہ طور پر اللہ تعالی کے علاوہ پوجا جارہا ہے؟

تم اپنے خیال میں تو فتنہ سے بھاگنا چاہتے ہو لیکن تم اس فتنہ میں گرفتار ہوچکے ہو اور دانستہ یا نادانستہ طور پر اس کے سب سے بڑے دروازے سے اس میں داخل ہوچکے ہو۔

﴿وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ ائْذَن لِّي وَلَا تَفْتِنِّي أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا﴾ التوبہ:۴۹

ان میں سے کوئی تو کہتا ہے مجھے اجازت دیجئے مجھے فتنے میں نہ ڈالئے، آگاہ رہو وہ تو فتنے میں پڑ چکے ہیں اور یقیناً دوزخ کافروں کو گھیر لینے والی ہے۔

کلمہ توحید کی گواہی کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی وضاحت:

مشایخ ارجاء نے لوگوں کو کلمہء توحید کی گواہی کے بارے میں صرف زبانی اقرار کے دائرے میں بند کر کے انہیں گمراہی کے جال میں جکڑ رکھا ہے۔ کیونکہ وہ ان کے سامنے یہ غلط تصویر کشی کرتے ہیں کہ جو کوئی صرف زبان سے کلمہء توحید کا اقرار کر لے یہ اس کے جنت میں داخلے کے لئے کافی ہے، اس پر مومن کا حکم لگایا جائے وہ خواہ کوئی بھی عمل کرتا رہے۔

انہوں نے احادیث کا ظاہری مفہوم مراد لیا ہے جو یہ ہے کہ: جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا وہ مومن ہے اور جنتی ہے۔ اس قسم کی احادیث اگرچہ صحیح ہیں لیکن انہوں نے ان احادیث کا ظاہری مفہوم لیتے ہوئے انہیں ان دوسری نصوص سے جدا کر دیا ہے جو ان کی تفسیر کرتی ہیں اور ان میں یہ وضاحت بیان کی گئی ہے کہ کلمہء توحید کی گواہی سے کیا مراد ہے اور اس کا طریقہ کار کیا ہے۔ اور اس کلمہ کا اقرار کرنے والے کی صفات کیا ہیں جن کی بنا پر اس پر ایمان اور جنت میں داخلے کا حکم لگایا جائے گا۔

یہ ایک بہت بڑی علمی خیانت ہے۔ کیونکہ علمی امانت کا تقاضا یہ ہے کہ جب کسی خاص مسئلہ پر بحث کی جا رہی ہو تو اس سے متعلقہ تمام نصوص کو اکٹھا کیا جائے اور ان سے مجموعی طور پر حکم اخذ کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لئے ہمارا نظریہ یہ ہے کہ: کلمہء توحید کی گواہی اور اس سے متعلقہ وعدوں اور وعید کے بارے میں گفتگو کرتے وقت اس موضوع سے تعلق رکھنے والی تمام نصوص کو سامنے رکھا جائے۔ ان میں بعض نصوص مفصل ہیں اور بعض مجمل ہیں اور خود ہی آپس میں ایک دوسرے کی تفسیر بیان کر دیتی ہیں۔ نصوص شریعت کی ایک دوسرے کے ساتھ تفسیر ہی وہ بہترین تفسیر ہے جس سے شارع علیہ السلام کی مراد کی وضاحت احسن پیرائے میں ہو سکتی ہے۔

اس موضوع کی احادیث ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالی کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (متفق علیہ)

مشایخ ارجاء اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس نص کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی جب اس گواہی کا اقرار کرلے کہ اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالی کے رسول ہیں تو اس نے مطلوبہ چیز کو پورا کردیا اور فرض ادا کردیا۔اسی پر ہماری دعوت اور ہمارے قول کی بنیاد ہے۔

ان کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ: ذرا صبر کرو! جو تم کہتے ہو ان چیزوں پر احکام کی بنیاد نہیں رکھی جاتی ۔تم اپنی خواہشات نفسانی کے مطابق کچھ نصوص سے اپنی آنکھوں کو بند کر لیتے ہو اور کچھ پر کھول لیتے ہو ۔اس صورت حال میں تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم ان دوسری احادیث پر بھی غور کرو جو کلمہء توحید کی گواہی کی وضاحت کرتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، اللہ تعالی کی توحید کا اقرار کیا جائے، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا۔(صحیح مسلم)

اس حدیث مبارکہ میں توحید کی گواہی کے لئے عبارت ''علی أن یوحد الله'' استعمال کی گئی ہے، جس سے مراد کلمہء توحید کی گواہی دینا ہے۔اس نص میں جو توحید مراد لی گئی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اللہ تعالی کی عبادت کی جائے اور اس کے سوا ہر الہ اور معبود کا انکار کیا جائے۔اس بات کی وضاحت مندرجہ ذیل نص سے ہوتی ہے:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اللہ تعالی کی عبادت کی جائے اور اس کے سوا ہر معبود کا انکار کیا جائے، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔(صحیح مسلم)

مشایخ ارجاء نے جس نص میں الجھاؤ ڈال رکھا تھا نبی کریم ﷺ نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ توحید کی گواہی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کی توحید کا اقرار کیا جائے، صرف اللہ تعالی کی عبادت کی جائے اور طاغوت کا انکار کیا جائے، اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے اللہ تعالی کے علاوہ پوجا جا رہا ہو۔

اس بناپرہم کہتے ہیں: جس نے نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق کلمہءتوحید کی گواہی دی، یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا اوراس کے علاوہ ہر معبود کا انکار کیا صرف اسی شخص نے مطلوبہ معیار کو پورا کیا ہے اورفریضہ ادا کیا ہے۔کلمہءتوحید کی گواہی صرف اسی صورت میں فائدہ منداور باعث نجات ثابت ہوسکتی ہے۔اس کے علاوہ ہر طریقہ رد کردیا جائے گا اور کہنے والے کے منہ پردے مارا جائے گا۔ کہنے والاخواہ کوئی بھی ہو نبی کریم ﷺ کے فرمان اور آپ ﷺ کی بیان کردہ تفسیر کی مخالفت کی وجہ سے اس کی بات کی نہ تو کوئی قدروقیمت ہوگی اور نہ ہی کوئی وزن ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

جس نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبودنہیں اورمحمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس پرجہنم کی آگ کوحرام کردیا۔(صحیح مسلم)

اس کے بارے میں بھی یہ لوگ کہتے ہیں جو شخص زبان سے علی الاعلان شہادتین کا اقرار کرلے اس کا ٹھکانہ جنت ہے اوراس پرآگ حرام کردی جاتی ہے۔

ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں: دوسری احادیث اورنصوص میں لا الہ إلا اللہ کی کچھ شروط مقرر کی گئی ہیں جن کا خیال رکھنا، انہیں اختیار کرنا اوران احادیث کے مضمون کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والا جو کہ جنت میں داخل ہونے والا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس میں اس اقرار سے زائدان شروط کا بھی ضرور خیال رکھے۔

ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے: نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:

جس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اوراللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر معبود کا انکار کیا، اس کا مال اورخون حرام ہے اوراس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔(صحیح بخاری)

یہاں لا الہ الا اللہ کے اقرار کو طاغوت کے انکار کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

جوشخص اس حالت میں فوت ہوا کہ اسے علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودنہیں وہ شخص جنت

میں داخل ہوگا۔(أحمد،طبرانی،صحیح الجامع:۳۵)

یہاں کلمہء توحید کے اقرار کو علم، اس کلمہ کے معنی اور اس کے متطلبات کی معرفت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ایک شرط یہ ہے:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صدق دل سے کلمہء توحید کا اقرار کرلے گا اللہ تعالی اس کے لئے آگ کو حرام کردے گا۔(صحیح مسلم)

اور فرمایا:

تم خوش ہو جاؤ اور اپنے پیچھے والے لوگوں کو بھی خوشخبری دے دو کہ جس نے لا الہ الا اللہ کو سچا مانتے ہوئے اس کی گواہی دی وہ شخص جنت میں داخل ہوگیا۔(صحیح بخاری)

یہاں پر صدق اور اخلاص جو کہ کذب اور نفاق کے منافی ہے کی شرط کا اضافہ کیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اللہ تعالی کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالی کا رسول ہوں، جو شخص ان دونوں کی گواہی دیتا ہے اور ان میں کسی قسم کے شک کا اظہار نہیں کرتا وہ جنت میں داخل ہوگیا۔(صحیح مسلم)

اور فرمایا:

جس شخص نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور پھر اسی اقرار پر اس کی موت واقع ہوگئی وہ جنت میں داخل ہوگیا۔(صحیح بخاری)

اس کلمہ یعنی توحید پر ساری زندگی قائم رہنا لازم اور ضروری ہے۔

جب کبھی لا الہ الا اللہ، اس کا اقرار کرنے والے کے اوصاف اور اس سے فائدہ حاصل کرنے والے کے بارے میں بات ہورہی ہوتو یہ اور اس قسم کی دوسری شروط و قیود جو نصوص شریعت سے ثابت ہیں سے اغماض کرنا اور بے رغبتی اختیار کرنا ممکن نہیں۔

سید قطبؒ فرماتے ہیں: سب سے بڑی مشکل جس کا موجودہ دور کی سچی اسلامی تحریکوں کو سامنا کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو مسلمانوں کی اولاد ہیں اور ان ملکوں کے باسی ہیں جو کبھی اسلام کے قلعے

ہوتے تھے، ان پر اسلامی احکام قائم تھے، شریعت کا نفاذ تھا، لیکن اب یہ صورت حال ہے کہ وہ ملک اور وہ لوگ اسلام کی حقیقت سے دور ہو چکے ہیں اور صرف اس کا زبانی نام ہی الا پتے ہیں۔ یہ لوگ اعتقادی اور عملی طور پر اسلام کے احکام سے منکر ہو چکے ہیں اگر چہ وہ اپنے خیال میں سچے مسلمان ہی کیوں نہ بنے پھریں۔ اسلام لا الہ الا اللہ کی گواہی کا نام ہے یعنی انسان کا عقیدہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالی اکیلا ہے، وہی اس کائنات کا خالق ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے۔ اور اللہ تعالی ہی وہ واحد ذات ہے جس کے لئے بندے اپنی عبادت اور اپنی زندگی کے دوسرے تمام نیک کام بجالاتے ہیں۔ اللہ تعالی ہی وہ واحد ذات ہے جس سے بندے شریعت اخذ کرتے ہیں اور اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ جس شخص نے ان مفاہیم کو پیش نظر رکھتے ہوئے لا الہ الا اللہ کی گواہی نہ دی، اس نے درحقیقت اس کلمے کا اقرار ہی نہیں کیا اور وہ ابھی تک اسلام میں داخل ہی نہیں ہوا۔ وہ کوئی بھی ہو اور کسی بھی نام ونسب اور لقب کا حامل کیوں نہ ہو۔ جس ملک میں اس مفہوم کے مطابق لا الہ الا اللہ کا نفاذ نہ کیا گیا اس ملک نے ابھی تک اللہ تعالی کے دین کو قبول ہی نہیں کیا اور وہ اسلام میں داخل ہی نہیں ہوا۔

آج زمین میں بہت سی ایسی اقوام آباد ہیں جن کے نام مسلمانوں جیسے ہیں اور وہ مسلمانوں کی اولادوں میں سے ہیں، اسی طرح بہت سے ایسے ممالک ہیں جو کبھی اسلام کے قلعے ہوا کرتے تھے۔ لیکن نہ تو وہ اقوام اس طریقے کے مطابق کلمہء توحید کی گواہی دیتی ہیں اور نہ وہ ممالک اس کے سامنے اس طریقے سے سر تسلیم خم کرتے ہیں جو اس کا اصل مقصود ہے۔ یہ وہ مشکل ترین صورت حال ہے جس کا اصل اسلامی تحریکوں کو ان ممالک میں ان اقوام کے ساتھ سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

یہ تحریکیں جن مشکلات سے دوچار ہیں ان میں سب سے بڑی مشکلات یہ ہیں کہ منافقت عام ہے نہ تو لوگ خالصتا لا الہ الا اللہ اور اسلام کے مقاصد کو پورا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور دوسری طرف نہ ہی علی الاعلان شرک اور جاہلیت کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

مشکل یہ ہے کہ لوگ نہ تو واضح انداز میں نیکوکار لوگوں کے راستے کو اپنائے ہوئے ہیں اور نہ ہی شرک

کے راستے پر واضح انداز میں چلتے ہیں بلکہ انہوں نے ملے جلے نظریات اپنا رکھے ہیں اور ان دونوں امور کو آپس میں گڈ مڈ کر رکھا ہے جس وجہ سے ان پر کوئی بھی حکم لگانا بہت مشکل ہے۔

اسلامی تحریکوں کے دشمن اس امر سے بخوبی واقف ہیں اس لئے وہ خلیج کو اور زیادہ وسیع کرنے اور اس معاملے کو زیادہ الجھانے میں دن رات مگن ہیں۔ وہ ایسا اس لئے کر رہے ہیں تا کہ لوگ اسلام کی طرف رجوع کرنا بالکل چھوڑ دیں، جب کبھی اسلام یا کفر کا حکم لگانے کی ضرورت پڑے تو عرف عام کو دیکھا جائے اور اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات سے راہنمائی حاصل نہ کی جائے۔

اسلام میں اس قسم کا کوئی الجھاؤ نہیں ہے جس طرح یہ دھوکے کا شکار لوگ خیال کر رہے ہیں، اسلام تو بالکل واضح ہے۔ اسلام اس طریقے کے مطابق کلمہء توحید کی گواہی دینے کا نام ہے جس کا ابھی تذکرہ ہوا ہے۔ جس نے اس طریقے کے مطابق اس کلمہ کی گواہی نہ دی اور اسے اپنی زندگی میں شامل نہ کیا تو اس کے بارے میں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ شخص کافر، ظالم، فاسق اور مجرم ہے۔ (فی ظلال القرآن: ١١٠٦)

خاتمہ

ان کلمات کے ساتھ ہم آپ کو الوداع کہتے ہیں اور انہیں آپ کے پاس بطور امانت رکھ رہے ہیں، کیونکہ اللہ کی قسم! ہم آپ کے خیر خواہ ہیں، آپ پر بہت زیادہ شفیق ہیں اور آپ کے بارے میں بڑے غیرت مند ہیں۔ اس لئے جو کلمات اس کتاب کے مقدمہ اور درمیانی صفحات میں ذکر کئے گئے ہیں انہیں یاد دہانی کے طور پر دوبارہ دہرایا جا رہا ہے۔

یاد رکھئے! تمام اصولوں میں سب سے بڑا اصول اور سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ عبادت کے تمام طریقوں میں خواہ وہ اصول ہوں یا فروع صرف اللہ تعالی کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے، اور طاغوت کا انکار کیا جائے۔

یہ ایک ایسی بنیاد ہے جس کے بغیر نہ تو کوئی عمارت کھڑی ہوسکتی ہے اور نہ ہی کوئی عمل قبول ہوسکتا ہے۔ اسی سے انسان کی زندگی کی ابتدا ہونی چاہئیے اور اور یہی اس کی انتہا ہو۔

اسی مقصد کے لئے اللہ تعالی نے مخلوقات کو پیدا کیا، رسولوں کو مبعوث فرمایا، کتابیں نازل فرمائیں، آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔اسی پر دوستی اور دشمنی قائم ہونی چاہئیے اور اسی کے لئے جہاد وقتال کرنا چاہیئے اور خون بہانا چاہئیے ۔

یہی وہ کلمہ ہے جو دنیا اور آخرت میں باعث نجات ہے اور یہی دنیا میں عزت ،شرف اور آزادی سے ہمکنار کرنے والا ہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس کلمہ کے بارے میں افراط وتفریط کا شکار ہو کر طاغوت کی طرف مائل ہو جائیں جو کہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔اور یہ بھی نہ ہو کہ آپ بحث و تعلم اور فہم و التزام کے حوالے سے اس کا حق ادا کرنے سے پہلے دوسرے ایسے امور میں مشغول ہو جائیں جو اس سے کم اہمیت کے حامل ہوں ۔

آپ اس بات سے دھوکے کا شکار مت ہو جائیے کہ قوم کے اکثر لوگ تو اس عظیم بنیاد کا حق کرنے کی بجائے فروعی اور فقہی اختلافات میں مگن ہیں اس لئے انہیں حق سمجھتے ہوئے آپ بھی ان کے ساتھی بن جائیں۔یاد رکھئے !ان کا اس بنیادی مسئلے سے بے رغبتی اختیار کرنا ان پر ایک ایسا شیطانی جال ہے جس کے ذریعے وہ انہیں آسانی سے شرک باللہ کی طرف کھینچ رہا ہے جو کہ سب سے بڑا ظلم اور گناہ ہے۔

کتنے ہی ایسے عالم ہیں جن کی اطرف عالم میں بڑی شہرت ہوتی ہے، وہ لمبی لمبی تسبیحیں تھامے ہوئے ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ شرک کا اقرار کرنے والے اور اس کے داعی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس بات پر ذرا بھی غور نہیں کرتے کہ توحید اور اس کے مطالبات سے غفلت کی وجہ سے طواغیت کا ایک ایسا سیلاب آنے والا ہے جو کہ اس کائنات میں الوہیت اور ربوبیت کے خصائص کا دعوی کریں گے ۔اگر چہ یہ لوگ طاغوت کی عبادت اور اس کی طرف جھکاؤ اختیار نہ بھی کریں پھر بھی ان کی غلفت کی وجہ سے ایسا ہو کر ہی رہے گا۔

طاغوت کا عبادت گذار بن جانے سے زندگی کے تمام پہلوؤں پر بڑے خطرناک نتائج مرتب ہوتے ہیں۔اور اس کے مطالبات بڑے تھکا دینے والے ہوتے ہیں۔طاغوت ایک ایسی منحوس چیز ہے کہ آپ اس کے لئے اپنی جان،عزت، مال اور اولاد سب کچھ قربان کر دیں لیکن یہ پھر بھی آپ سے اور کا

مطالبہ کرے گا، جبکہ آخرت کا نقصان عظیم اس سے بھی بڑھ کر ہے جو کہ جہنم کی صورت میں ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ﴾ البقرة: ۲۵۷

اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔

یہ ایک اندھیرا نہیں ہے بلکہ بہت سے اندھیرے ہیں جن میں ایک دوسرے سے بڑھ کر خطرناک ہے۔ شرک کے اندھیرے، طاغوت کی بندگی اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے اندھیرے، نفس اور سینے کی گھٹن کے اندھیرے، تنگ زندگی کے اندھیرے، اور ان سب سے بڑھ کر آخرت میں جہنم کے اندھیرے اور اس کی مشکلات، یہ سبھی اندھیرے توحید کا راستہ چھوڑ دینے کی وجہ سے طاغوت کی طرف سے انسان کے مقدر میں لکھے جاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللَّهِ مَن لَّعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُوْلَئِكَ شَرٌّ مَّكَاناً وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ﴾ المائدہ: ۶۰

کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں؟ کہ اس سے بھی زیادہ برے اجر پانے والا اللہ تعالی کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ تعالی نے لعنت کی اور اس پر وہ غصہ ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنا دیا اور جنہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی، یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں۔

اور فرمایا:

﴿وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاء فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ﴾ الحج:۳۱

سنو! اللہ کے ساتھ شریک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا، اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز کی جگہ پھینک دے گی۔

یہ اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنے والے کی سزا ہے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالی کی توحید کا دعویدار ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہراتا اس کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں خوشخبریاں ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے

﴿وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَى فَبَشِّرْ عِبَادِ ☆ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُوْلَئِكَ هُمْ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ﴾ الزمر:۱۷-۱۸

اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز کیا اور (ہمہ تن) اللہ تعالی کی طرف متوجہ رہے وہ خوش خبری کے مستحق ہیں، میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے ☆ جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر جو بہترین بات ہو اس کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ تعالی نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں۔

اور فرمایا:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً﴾ النور:۵۵

تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالی وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے

لئے وہ پسند فرما چکا ہے اوران کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

یہ سبھی ﴿یَعْبُدُونَنِیْ لَا یُشْرِکُونَ بِیْ شَیْئاً﴾ کے صلے میں ربانی انعامات ہیں۔ کیا ہم نے اپنی ذات، اپنے خاندان اوراپنی عمومی زندگی کے بارے میں اس شرط کو پورا کیا ہے؟ یا اس شرط کے پورا کرنے کے بعد کبھی ہم نے اللہ تعالی سے یہ دعا کی ہو کہ وہ ہمیں اپنی طرف سے مدد ونصرت اور خلافت وحکومت عطا فرمائے اور ہمارے خوف کو امن میں تبدیل کردے؟

اس میں ان لوگوں کے لئے نصیحت اور راہنمائی ہے جو خلافت راشدہ کا نظام قائم کر کے معاشرے میں تبدیلی پیدا کرنے کے خواہاں ہیں: اگر تم نے اپنی ذات، اپنی جماعت اور لوگوں کی عمومی زندگی کے بارے میں اس اہم شرط کو پورا نہ کیا، اسے اپنا مقصد عظیم نہ بنایا اور جن اہم ترین امور کو تم سب سے پہلے کرنا چاہتے ہو ان میں اسے سرفہرست نہ رکھا تو یاد رکھو تمہاری ساری سعی اور کوشش بے مقصد اور لاحاصل اور سراب کے پیچھے دوڑنے کے مترادف ہوگی۔ اس کے ساتھ ساتھ دعوت الی اللہ میں یہ اسلوب انبیاء کے منہج کے خلاف بھی ہوگا۔

آخر میں ظلال القرآن میں سے سید قطبؒ کے کلام سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے اپنے خاص اسلوب سے ان بڑی بڑی مصیبتوں اور پریشانیوں کا تذکرہ کیا ہے جو طاغوت کی بندگی اختیار کرنے کی صورت میں درآتی ہیں، اسی طرح انہوں نے ان بڑی بڑی برکات اور خوبیوں کا بھی ذکر کیا ہے جو صرف اللہ تعالی کی بندگی اختیار کرنے اور اس کی توحید کو قبول کرنے کی صورت میں حاصل ہوتی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: طاغوت کی بندگی سے نکلنے اور اللہ تعالی کی وحدانیت کا اقرار کرنے کی صورت میں جو پریشانیاں اور آزمائشیں انسان کو پہنچتی ہیں وہ جس قدر بڑی اور مشکل ہی کیوں نہ ہوں لیکن پھر بھی ان مصیبتوں اور پریشانیوں سے کم تر ہیں جو طواغیت کی بندگی اختیار کرنے کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہیں۔ طاغوت کی بندگی اختیار کرنے کی صورت میں اگرچہ بڑی چمک دمک والی اور پرسکون زندگی کا لالچ ہی کیوں نہ دیا جائے لیکن اس کے نتائج اور عواقب بڑے تباہ کن ہوتے ہیں۔ یہ تباہیاں

بڑے غیر محسوس انداز میں انسان کی زندگی میں داخل ہوتی ہیں اور طویل مدت تک انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ان مصیبتوں کا تعلق انسان کی انا اور انسانیت کے ساتھ ہوتا ہے۔کیونکہ طاغوت کی بندگی میں انسان ایک انسان کا بندہ ہوتا ہے۔ایک انسان کے لئے اس سے بڑھ کر ذلت ورسوائی کی اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ اسے دوسرے انسان کی بندگی اختیار کرنا پڑتی ہے اور اس کے احکامات کے سامنے سرتسلیم خم کرنا پڑتا ہے،اس کے دل کی ڈور کسی دوسرے انسان کے ارادے کے ساتھ بندھی ہوتی ہے، اسے کسی دوسرے انسان کی خوشی اور ناراضگی کا خیال رکھنا پڑتا ہے،اسے دوسرے انسان کی خواہشات اور ارادوں کے تابع ہونا پڑتا ہے،اس کی باگ دوڑ اور اس کی لگام کسی دوسرے انسان کے ہاتھ میں ہوتی وہ اسے جیسے چاہے اور جہاں چاہے چلاتا پھرے؟

معاملہ یہیں تک بس نہیں بلکہ یہاں تو ذلت و رسوائی کی اس سے بھی گہری کھائیاں ہیں۔لوگوں کو طواغیت کے حکم سے اپنے مال خرچ کرنے پڑتے ہیں نہ تو کوئی شریعت انہیں بچاسکتی ہے اور نہ ہی کوئی قانون ان کا تحفظ کرسکتا ہے۔اسی طرح طاغوت اپنے ماننے والوں سے ان کی اولاد کی قربانی بھی مانگتا ہے۔طاغوت ان بچوں کی اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق تربیت کرتا ہے۔اپنی سوچ فکر،اپنے طور طریقے،اپنے عادات واطوار اور اپنے رسوم ورواج ان کے کچے ذہنوں میں راسخ کرتا ہے، پھر ان کی روح اور ان کی زندگی میں طاغوت کا ہی تسلط ہوتا ہے اور وہ انہیں اپنی خواہشات پر ذبح کردیتا ہے۔اور ان کے ذہنوں اور جسموں کو استعمال کرتے ہوئے اپنی جاہ وعظمت منوانے کے لئے ان سے بڑے بڑے کام کرواتا ہے۔آخر میں طاغوت اپنے ماننے والوں سے ان کی عزت کی قربانی بھی مانگ لیتا ہے ،ان کی بہو بیٹیوں کو اپنے طور طریقوں سے اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے اور پھر ان سے تہذیب وثقافت کے نام پر ایسے ایسے حیا سوز کام کرواتا ہے کہ جسے دیکھ کر شیطان بھی اپنا منہ چھپاتا پھرتا ہے۔جس شخص کا یہ خیال ہو کہ وہ اللہ تعالی کے علاوہ طاغوت کی بندگی کرنے کے باوجود اپنا مال،عزت،اپنی زندگی اور اپنے بچوں بچیوں کی زندگی بچالے گا وہ یا تو کسی بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہے یا پھر اسے حالات و واقعات کی سنگینی کا احساس ہی نہیں ہے۔

طاغوت کی بندگی کا انسان کے نفس، عزت اور مال کے لئے نقصان ہی نقصان ہے۔اگرچہ اللہ تعالی کی بندگی کی صورت میں بھی انسان کو بہت سی مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن یہ مشکلات دین و دنیا دونوں میں انسان کے لئے فائدہ مند ہیں، دنیا میں انسان کے مرتبے کی بلندی اور آخرت میں میزان میں اضافے کا باعث ہیں۔

اللہ تعالی کی بندگی انسان کو ہر چیز کی بندگی سے آزاد کر دیتی ہے حتی کہ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نجات عطا کر کے صرف اللہ تعالی کا بندہ بنا دیتی ہے۔اسی سے انسان کو اس کا اصل شرف اور آزادی ملتی ہے۔اسلام کے علاوہ کسی دوسرے نظام میں اس آزادی اور شرف کے حاصل ہونے کا تصور ہی بہت محال ہے۔کیونکہ دوسرے تمام نظاموں میں لوگ غلامی کی مختلف صورتوں میں سے ہر صورت میں ایک دوسرے کو اپنا غلام بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔خواہ اعتقاد کی غلامی ہو، شعائر کی غلامی ہو یا شریعت و قانون کی غلامی ہو یہ سب کی سب غلامی کی مختلف صورتیں ہیں۔ یہ تمام صورتیں ہم مثل ہیں اور غیر اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے مترادف ہیں۔

لوگوں کے لئے کسی بھی دین کے بغیر زندگی گذارنا ناممکن ہے۔انسان کے لئے اپنی زندگی میں کسی کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرنا لازم اور ضروری ہے ۔جو لوگ صرف اللہ تعالی کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار نہیں کرتے وہ اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں فی الفور غیر اللہ کی عبادت کے مختلف طریقوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

وہ لوگ بغیر کسی ضابطے اور قانون اور بغیر کسی حساب اور حد کے اپنی خواہشات وشہوات کی پیروی کا شکار ہو جاتے ہیں۔اس طرح وہ اپنی خاصیت آدمیت ختم کر کے عالم حیوانات میں داخل ہو جاتے ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ﴾ محمد:۱۲

اور لوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا فائدہ) اٹھا رہے ہیں اور مثل چوپایوں کے کھا رہے ہیں، ان کا (اصل) ٹھکانا جہنم ہے۔

انسان کے لئے اس سے بڑھ کر خسارے اور نقصان کی کوئی بات نہیں ہے کہ کسی طریقے سے اس کی

صفت آدمیت ختم ہو جائے اور اس کا شمار عالم حیوانات میں ہونا شروع ہو جائے۔ اگر انسان اللہ واحد کی اطاعت وفرمانبرداری سے گریزاں ہو کر شہوات وخواہشات کا پیروکار بن جائے تو اس کے لئے ایسا ہونا بالکل حتمی اور یقینی بات ہے۔

اللہ تعالی کی اطاعت اور فرمانبرداری اختیار نہ کرنے کا ایک دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس طرح لوگ مختلف طریقوں سے بندوں کی غلامی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لوگ بہت برے طریقے سے اپنے حاکموں اور سرداروں کی غلامی میں جکڑے جاتے ہیں اور وہ انہیں اپنے طور طریقوں کے مطابق جیسے چاہتے ہیں چلاتے ہیں اور ان سے جو چاہتے ہیں کام لیتے ہیں۔ ان حاکموں اور سرداروں کی مصلحتوں کا تحفظ کرنے کے علاوہ ان لوگوں کی زندگی کا نہ تو کوئی مقصد ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی ضابطہ وقانون۔ خواہ حاکم ایک فرد واحد ہو یا حکام کا ایک پورا طبقہ جب حکم کا نفاذ اللہ تعالی کی بجائے انسان کی طرف سے ہوگا تو اس میں اسی طرح انسان کی توہین ہوتی رہے گی۔

بندوں کی غلامی صرف حکام اور سرداروں کی غلامی میں مقید نہیں ہے بلکہ یہ تو صرف ایک قسم ہے جس نے ایک بہت بڑے حصے کو گھیرا ہوا ہے، اس کے علاوہ بھی بندوں کی غلامی کی بہت سی اقسام ہیں جو عام طور پر ہماری ظاہری آنکھوں سے مخفی رہتی ہیں لیکن وہ اس قسم سے بھی زیادہ قوی، ظالم اور خطرناک ہوتی ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال وہ غلامی ہے جس کا طوق تہذیب وثقافت کے نام پر انسان کے گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا طوق ہوتا ہے جسے نہ تو انسان اپنے گلے سے اتار سکتا ہے اور نہ ہی اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔

یہ تو صرف ایک مثال ہے کہ اگر لوگ اللہ تعالی اکیلے کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار نہیں کریں گے اور اسے چھوڑ کر بندوں کی غلامی اختیار کریں گے تو انہیں اس قسم کی ذلت ورسوائی کا ضرور سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حاکموں اور سرداروں کی حاکمیت تسلیم کرنا ہی صرف انسانوں کو انسانوں کا حاکم اور انسانوں کو انسانوں کا غلام بنانے کی ایک واحد صورت نہیں ہے بلکہ اس ذلت ورسوائی کی اور بھی بہت سی صورتیں ہیں۔

غیر اللہ کی بندگی اختیار کرنے سے انسان کو جس ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اسے جس قدر بے رحمی کے ساتھ اپنے مال، عزت اور نفس کی قربانی دینا پڑتی ہے اس سے اسے عبادت اور حاکمیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی قدر و قیمت اندازہ ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ بندوں کی بندگی اور اطاعت خواہ احکام و قوانین کی صورت میں ہو یا رسوم و رواج کی صورت میں یا پھر اعتقاد و نظریات کی صورت میں یہ دوسرے انسانوں کے لئے انتہائی تباہ کن اور ذلت و رسوائی کا باعث ہی ہوتی ہے۔

اعتقاد و نظریات میں غیر اللہ کی بندگی اختیار کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جھوٹے قصے کہانیوں اور خرافات کے خونی پنجوں کا شکار ہو جائے جن کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی۔ کبھی یہ قصے کہانیاں بت پرستی اور جاہلیت کا شکار لوگوں کی طرف سے سننے میں ملتے ہیں اور کبھی لوگوں کے وہم و خیالات اس میں شامل ہوتے ہیں۔ ان جھوٹے نظریات اور غلط عقائد کی خاطر مال کی قربانی دی جاتی ہے بلکہ کبھی اپنی اولاد بھی ان کی بھینٹ چڑھا دی جاتی ہے۔ لوگوں کو ایسے ایسے خوفناک قصے اور کہانیاں سنائے جاتے ہیں کہ وہ جنوں، بھوتوں، عفریتوں اور بڑی بڑی مافوق العادت ہستیوں کے رعب میں مبتلا رہتے ہیں۔ پیروں فقیروں کو ایسے پراسرار طریقے سے پیش کیا جاتا ہے کہ لوگ ان کے آستانوں پر گردنیں جھکائے چلے آ رہے ہوتے ہیں اور اپنی ہر چیز قربان کر کے جا رہے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کے بجائے بندوں کے احکام و قوانین کے نفاذ کی صورت میں بہت سی مصیبتیں اور مشکلات نازل ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا عبادت گذار اللہ تعالیٰ کے لئے جو قربانی پیش کرتا ہے اس سے کئی گنا زیادہ بڑی قربانیاں لوگوں کو اپنے حاکموں کے لئے پیش کرنا پڑتی ہیں۔ یہ قربانیاں مال و جان کی صورت میں ہوتی ہیں حتیٰ کہ کبھی انہیں اپنے حکام کی خاطر اپنی عزت بھی قربان کرنا پڑ جاتی ہے۔

وطن، قوم، جنس، طبقہ اور اس طرح کے بہت سے ایسے بت اور خدا ہیں جو لوگوں نے اپنی عبادت کے لئے بنا رکھے ہیں۔

ان پر ڈھول بجائے جاتے ہیں اور جھنڈے نصب کئے جاتے ہیں اور ان بتوں کے پجاریوں سے

مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ بغیر کسی تردد کے ان پر اپنے جان و مال کی قربانی دیں۔ورنہ ان کی طرف سے تردد کو خیانت سمجھا جائے گا جو کہ ایک بہت بڑی عار ہے۔حتیٰ کہ ان بتوں اوران کے مجاوروں کے مطالبات کے لئے اگر عزت بھی گنوانا پڑے تو اس کی قربانی دینے کے لئے بھی ان پر زور دیا جاتا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ جس کا اصل مقصد یہ ہے کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا پرچار ہو،انسانیت کوطواغیت اور بتوں کی بندگی سے نجات مل جائے اور انسانی زندگی کو وہ اوج ثریا نصیب ہو جو کہ اصل میں اللہ تعالیٰ انسان کے لئے چاہتے ہیں۔یہ جہاد فی سبیل اللہ انسان سے جن قربانیوں کا طلب گار ہے اسی قسم کی یا اس سے بھی کہیں بڑھ کر قربانیاں ان لوگوں کو اپنے جھوٹے خداؤں کے لئے دینا پڑتی ہیں جو غیر اللہ کے پجاری ہیں۔جن لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کرنے کی صورت میں دکھ، تکلیف،شہادت، جان و مال اوراولاد کی کمی کا خطرہ ہے انہیں غور کرنا چاہیئے کہ غیر اللہ کی بندگی اختیار کرنے کی صورت میں انہیں کس قدر تکلیفوں، دکھوں اور پریشانیوں کرنا پڑے گا اوراس سے بڑھ کر مال واولاد اورعزت کی قربانی بھی دینا پڑے گی ۔یہ سبھی پریشانیاں جہاد فی سبیل اللہ کے نتیجے میں حاصل ہونے والی پریشانیوں اور آزمائشوں سے کسی حوالے سے بھی کم نہیں ہیں۔غیر اللہ کی بندگی کی صورت میں حاصل ہونے والی ذلت ورسوائی اور کراہت و عار اس سے بھی بڑھ کر ہے۔(اس میں ان لوگوں کے لئے عبرت ونصیحت ہے جو طاغوت کے خلاف جہاد کرنے کو ایک بہت بڑا فتنہ سمجھتے ہیں اوراسے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کر لینے اوران سے صلح رکھنے سے زیادہ تکلیف دہ عمل سمجھتے ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ مصیبتیں اور پریشانیوں ان کے علم میں نہیں ہیں یا انہیں ان کا احساس نہیں ہے جو ایسا کرنے کی صورت میں نازل ہونے والی ہیں۔)

طواغیت کے حوالے سے ایک عام چیز جو کہ اکثر دیکھنے میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ بندوں میں سے جب بھی کسی کو طاغوت بننے کا شوق چراتا ہے یعنی وہ چاہتا ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی عبادت کریں تو اسے اپنی بات منوانے کے لئے تمام قوتوں اور طاقتوں کو مسخر کرنا پڑتا ہے۔اس طاقت وقوت کی ضرورت اسے سب سے پہلے اپنی شخصیت کی حمایت کے لئے ہوتی ہے اوراس کے بعد خود کو الہ تسلیم کروانے کے لئے۔اس کے ساتھ ساتھ اسے ایسے حاشیہ برداراور خوشامدیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر وقت اس کے نام کی تسبیح الاپتے رہیں،اوراس کی کمزور شخصیت میں ایسی ہوا بھر دیں کہ لوگوں کے

دلوں پراس کے نام اور شخصیت کی ہیبت اور رعب طاری ہوجائے۔
حاشیہ برداروں کو خوشامد کا فریضہ دن رات مسلسل ادا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ان کی قائم کی ہوئی شخصیت میں اگر ان کی سستی کی وجہ سے کسی قسم کی کمی واقع ہوگئی تو ان کی محنت اکارت جائے گی اور اس شخصیت کو قائم کرنے کے لئے انہیں نئے سرے سے دوبارہ محنت کرنا پڑے گی۔
طواغیت کی شخصیت کو اجاگر کرنے اور ان کے رعب کو قائم کرنے کے لئے جو مال و دولت خرچ کیا جاتا ہے اگر اس کا عشر عشیر بھی لوگوں کی فلاح و بہود، زمین کی آبادکاری اور صنعت وحرفت کے لئے خرچ کیا جائے تو زمین میں ایک انقلاب پیدا ہوجائے اور انسانیت کے سارے دکھ اور پریشانیاں ختم ہوجائیں۔لیکن یہ بات یادرکھئے جب تک لوگ طاغوت کے پجاری بن کر رہیں گے اور صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کے بندے نہیں بنیں گے اس وقت تک یہ اموال اور یہ وسائل انسانیت کی فلاح و بہبود کے کاموں میں کبھی بھی خرچ نہیں ہوں گے۔
جن لوگوں نے اللہ واحد کی بندگی سے اعراض کر رکھا ہے اور اپنے میں سے چند لوگوں کے گروہ کو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف اپنے اوپر حکم چلانے کا اختیار دے رکھا ہے وہ لوگ غیراللہ کی بندگی کرنے کی گمراہی میں مبتلا ہوچکے ہیں۔ان پر حکم چلانے والے خواہ بہت خوبصورت نعروں کے حامل ہی کیوں نہ ہوں اور لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ نظام ان کی انسانیت، آزادی اور شرف کا ضامن ہے لیکن اس کے باوجود یہ نظام ان کی انسانیت، ان کے شرف اور ان کی آزادی کو ہڑپ کر جائے گا۔
چرچ نے اپنے دور اقتدار میں جب یورپ میں دین کے نام پر ظلم و ستم کا بازار گرم کیا اور تمام انسانی قدروں کو ملیامیٹ کر دیا تو لوگ اس سے دور ہوتے ہوئے اور اس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ہی بہت دور چلے گئے۔انہوں نے سمجھا کہ جمہوریت کے نظام میں انہیں ہر قسم کی آزادی مل سکتی ہے اور اس میں ان کے شرف انسانیت کا بھی احترام ہوگا۔اس لئے انہوں نے اس حوالے سے اپنے لئے ہر قسم کی ضمانت کو دیکھتے ہوئے ان مصنوعی نظاموں سے اپنی ہر قسم کی آرزوئیں وابستہ کرلیں۔لیکن اس کا انجام کیا ہوا؟ اس کا انجام سرمایہ دارانہ نظام کی صورت میں نمودار ہوا جس نے ان

تمام ضمانتوں، آزادیوں اور عوامی رائے کو فقط بے فائدہ اور ایک خیالی چیز سمجھا اور ایک مخصوص مالدار طبقہ پوری انسانیت کے وسائل پر قابض ہو کر بیٹھ گیا اور ساری دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچانے لگا۔

سرمایہ دارانہ نظام کے اس ظلم وستم کے نتیجے میں کچھ لوگوں نے اشتراکیت کا نعرہ لگایا۔لیکن یہ بھی دیکھئے کہ ان لوگوں نے عوام کے ساتھ کیا کیا؟انہوں نے انسانوں کو سرمایہ داروں کی بندگی سے چھڑا کر فقیروں کے ایک طبقے کی بندگی میں مقید کر دیا۔یا پھر سرمایہ داروں سے آزاد کر کے حکومت کا غلام بنا دیا جو کہ تمام وسائل پر قابض تھی۔یہ گروہ سرمایہ داروں سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔

غرض ہر نظام اور ہر صورت حال میں انسان ہی انسان کا داتا تھا اور انسان ہی دوسرے انسانوں کے بندے اور غلام تھے۔لوگ ہر حال میں اپنے مال اور اپنی بوجھ تلے دبی اور ظلم وستم کی چکی میں پسی ہوئی روحوں کو مختلف قسم کے داتاؤں کے مفادات پر قربان کرتے رہے۔

انسانی زندگی کے ساتھ عبادت اور بندگی لازم اور ملزوم ہے اگر یہ اللہ تعالی کے لئے اختیار نہ کی جائے گی تو لوگ غیر اللہ کو اپنا معبود اور داتا بنالیں گے۔لیکن اللہ تعالی اکیلے کی بندگی اختیار کرنے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس طرح انسان غلامی سے آزاد ہوں گے اور ان کا شرف انسانیت اور مرتبہ قائم رہے گا جبکہ غیر اللہ کی بندگی پہلے تو انسان کی انسانیت،شرف،آزادی اور مرتبے غرض سب چیزوں کو ہڑپ کر جاتی ہے اور آخر میں اس کے مال ودولت اور مادی مفادات پر بھی اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے۔

اسی لئے عبادت اور الوہیت کا مسئلہ اللہ تعالی کے بھیجے ہوئے رسولوں اور ان پر نازل شدہ کتابوں کا بنیادی موضوع رہا ہے۔یہ مسئلہ صرف زمانہ قدیم کے جاہلی معاشرے کے بت پرستوں سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہ مسئلہ ہر انسان سے متعلقہ ہے وہ خواہ کسی بھی دور سے تعلق رکھنے والا ہو اور کسی بھی علاقے کا رہنے والا ہو۔یہ مسئلہ ہر دور کی جاہلیت سے تعلق رکھنے والا ہے،اس جاہلیت کا تعلق خواہ ماقبل التاریخ دور سے ہو،یا تاریخ میں شامل دور سے ہو،یا وہ اکیسویں صدی کی جدید جاہلیت کی مختلف شکلیں ہوں۔قرآن وحدیث میں جہاں کہیں بھی طاغوت کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے ہر دور کی جاہلیت مراد لی گئی ہے جس کی بنیاد بندوں کو بندوں کا غلام بنانے کے نظریے پر رکھی گئی ہے۔

اس مسئلے کے بارے میں خلاصہء کلام یہ ہے کہ: اطاعت و بندگی، اطاعت اور حاکمیت کا مسئلہ عقیدہ، ایمان اور اسلام سے تعلق رکھنے والا ہے یہ فقہ، سیاست یا کسی خاص نظام کے قیام کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ عقیدے کا مسئلہ ہے خواہ قائم ہو یا نہ ہو، یہ ایمان کا مسئلہ ہے خواہ موجود ہو یا نہ ہو، یہ اسلام کا مسئلہ ہے خواہ پورا ہو یا نہ ہو۔

اسی طرح عبادت کا مسئلہ صرف شعائر کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ عملی زندگی میں اللہ تعالی کی اطاعت و فرمانبرداری، اسلامی نظام، شریعت، فقہ اور اللہ تعالی کے احکام کے قیام کا مسئلہ ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالی کے احکام میں اس مسئلے کو ایک خاص توجہ دی جاتی رہی ہے اور یہ تمام انبیاء کی دعوت کا مرکزی نقطہء نظر بھی رہا ہے۔ (فی ظلال القرآن: ۳/ ۱۳۱۹،۴/ ۱۹۳۹-۱۹۳۴)

جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے اس میں نصیحت ہے، اور اس کے لئے بھی جو متوجہ ہو کر کان لگائے اور وہ حاضر ہو۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر سی کاوش کو قبول فرمائے، ہماری خطاؤں کو معاف فرمائے، ہمیں دین پر ثابت قدمی عطا فرمائے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کتاب کو میرے لئے اور تمام لوگوں کے لئے نفع مند بنائے۔ بے شک وہ قریب سے دعاؤں کو سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

وصلى الله على محمد النبى الأمي وعلى آله وصحبه وسلم

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

عبدالمنعم مصطفیٰ حلیمہ

''أبوبصیرالطرطوسی''